شذرات

اہل سیاست اور سیاسی استحکام	منظور الحسن	۲

قرآنیات

آل عمران (۳: ۱۶۵۔۱۷۵)	جاوید احمد غامدی	۷

معارف نبوی

خدا کے احترام سے متعلق ایک روایت	معز امجد	۱۳
کلمہ گو کی حیثیت	طالب محسن	۱۵

دین و دانش

ایمانیات (۴)	جاوید احمد غامدی	۲۱

نقد و نظر

''اسلام اور موسیقی''۔۔۔ ''الاعتصام'' کی تنقید پر تبصرہ (۲)	منظور الحسن	۳۱
غناء جاریتین کے واقعہ میں راویوں کے تصرفات	محمد عمار خان ناصر	۵۹

سیر و سوانح

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲)	محمد وسیم اختر مفتی	۶۵

وفیات

مولانا سید اسعد مدنی	مولانا زاہد الراشدی	۶۹

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

منظور الحسن

اہل سیاست اور سیاسی استحکام

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

پاکستان میں جمہوری اقتدار کو غیر مستحکم کرنے کا الزام جس قدر فوج اور بیورو کریسی پر عائد کیا جاتا ہے، اسی قدر اس کے مستحق اہل سیاست بھی ہیں۔ جتنی یہ بات درست ہے کہ اگر فوج اور بیورو کریسی کے ادارے اپنے دائرۂ کار تک محدود رہتے تو ملک سیاسی خلفشار سے محفوظ رہتا، اتنی ہی یہ بات بھی صحیح ہے کہ اگر سیاست دان اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے تو سیاسی استحکام کی منزل زیادہ مشکل نہ ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے فرائض سے غفلت برتی ہے، بلکہ مجرمانہ افعال کا ارتکاب کیا ہے۔ گزشتہ پچاس پچپن برسوں میں انھوں نے جس طرز عمل کا مظاہرہ کیا ہے، اس کے بعد عوام کی لغت میں دھوکا اور سیاست ہم معنی الفاظ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ لوگوں کے لیے اب اس کا تصور ہی محال ہے کہ کوئی سیاست دان ہوس اقتدار سے بالاتر ہو کر ان کی ترقی کے لیے سرگرم ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کے اس جمہوریت پسند دور میں بھی بعض سادہ لوح لوگوں کی زبان پر یہ بات آ جاتی ہے کہ ان جیسے سیاست دانوں کے اقتدار سے تو فوجی حکومت ہی بہتر ہے۔

اس صورت حال کا سبب درحقیقت چند سنگین غلطیاں ہیں جو ہمارے سیاست دانوں کے طرز عمل میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہیں اور جن کی وجہ سے عوام ان سے مایوس ہو چکے ہیں۔

ان کے طرز عمل کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے حصول اقتدار کی جدوجہد کرتے ہوئے دین و اخلاق، اصول و قانون اور جمہوری اقدار کی کبھی پروا نہیں کی۔ مناصب کے حصول کے لیے اگر انھیں جھوٹ بولنا پڑا ہے تو انھوں نے بولا ہے، خوشامد کرنی پڑی ہے تو کی ہے، رشوت دینی پڑی ہے تو دی ہے، وقار کو داؤ پر لگانا پڑا ہے تو لگایا

ہے، یہاں تک کہ اقتدار کے قیام و دوام کے لیے اگر انھیں آمروں کے ہاتھ بھی مضبوط کرنے پڑے ہیں تو انھوں نے اس سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیاسی میدان میں یہ لوگ فوج اور بیوروکریسی کے اشاروں پر حرکت کرنے والے کھلونوں سے زیادہ کوئی حیثیت کبھی اختیار نہیں کر سکے۔ ہماری سیاسی تاریخ کا یہ کوئی معمولی المیہ نہیں ہے کہ جب بھی کوئی غیر جمہوری اور غیر آئینی حکمران مسند اقتدار پر فائز ہوا ہے، ان اہل سیاست کی معتد بہ تعداد نے اپنی خدمات اسے پیش کر دی ہیں۔ ایسے موقعوں پر اگر کسی کی طرف سے کوئی مزاحمت بھی سامنے آئی ہے تو کسی اصول اور آدرش کی بنا پر نہیں، بلکہ محض مفادات اور تعصّبات ہی کی بنا پر سامنے آئی ہے۔

قائداعظم نے گورنر جنرل بننے کے بعد مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے کر جمہوری روایت کی بنا ڈالی، مگر لیاقت علی خان نے اسے توڑ کر جب وزارت عظمیٰ کے ساتھ مسلم لیگ کی صدارت بھی حاصل کرنا چاہی تو مسلم لیگی سیاست دانوں نے اسے خوش دلی سے قبول کیا۔ گورنر جنرل غلام محمد نے پارلیمانی روایات کے علی الرغم پارلیمنٹ کی اکثریتی جماعت کے سربراہ خواجہ ناظم الدین کو برطرف کیا تو اہل سیاست خاموش رہے۔ اس کے بعد گورنر جنرل نے یکے بعد دیگرے محمد علی بوگرا اور چودھری محمد علی جیسے غیر سیاسی افراد کو وزیر اعظم نامزد کیا تو مسلم لیگ کے اہل سیاست نے اس پر احتجاج کے بجائے انھیں اپنی جماعت کی صدارت بھی پیش کر دی۔ پھر گورنر جنرل نے منتخب دستور ساز اسمبلی توڑی تو اسے بھی کچھ احتجاج کے بعد قبول کر لیا گیا۔ بعد ازاں جب گورنر جنرل سکندر مرزا کے ایما پر مسلم لیگ کے مقابلے کے لیے ری پبلکن پارٹی تشکیل دی گئی جو نہ عوامی حمایت رکھتی تھی اور نہ مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کی اہل تھی تو مسلم لیگ کے بیش تر منتخب نمائندے اپنی جماعت چھوڑ کر اس میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح جنرل ایوب خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف نے جب غیر جمہوری طریقے سے حکومتیں قائم کیں تو انھیں بھی سیاست دانوں کے طائفے سے بے شمار لوگ میسر آ گئے۔ تاریخ کے اس جائزے سے یہ بات پوری طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ہمارے اہل سیاست نے محض اپنے اقتدار کے لیے ملک میں سیاسی استحکام کو داؤ پر لگائے رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر سیاست دان ہوس اقتدار سے بالاتر رہتے اور باہم متحد ہو کر غیر جمہوری حکمرانوں کے خلاف جد و جہد جاری رکھتے تو یہ ملک اس وقت مستحکم سیاسی اقدار کا حامل ہوتا۔

اہل سیاست کی دوسری غلطی یہ ہے کہ انھوں نے عوام کے ساتھ سراسر غیر سیاسی طرز عمل اختیار کیا۔ انھوں نے نہ عوام کے اندر اپنی جڑیں مضبوط کرنے کی طرف کبھی توجہ دی، نہ ان سے رابطے کا کوئی چینل قائم کیا اور نہ ان کی تنظیم سازی کی طرف مائل ہوئے۔ انھوں نے عوام سے اگر کچھ ربط و تعلق قائم بھی کیا تو اسے بھی انتخابی جلسے جلوسوں تک محدود

رکھا۔عوام سے مینڈیٹ لینے کے بجائے اکثر ان کی یہی کوشش رہی کہ کسی دوسرے ذریعے سے ایوان اقتدار میں پہنچا جائے۔اس مقصد کے لیے انھوں نے ہمیشہ عوام کی ترجیحات اور امنگوں کے برعکس معاملہ کیا۔

جب کبھی برسر اقتدار آئے تو عوام سے اپنا تعلق یکسر ختم کر لیا۔یہ تجربہ اکثر لوگوں نے کیا کہ جو سیاسی لیڈر انتخابات کے دنوں میں اس کے ساتھ محبت سے ملتے تھے، اس کے دکھ درد کو سنتے تھے اور اس کی حاجت روائی کے وعدے کرتے تھے، انھوں نے کامیاب ہوتے ہی اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ان سیاست دانوں نے اقتدار میں آ کر اگر کچھ پروا کی تو صرف اقربا، احباب اور قریبی کارکنان کی۔ترقی کے دروازے اگر کھولے گئے تو صرف قریبی لوگوں کے لیے اور اس ضمن میں میرٹ کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا۔

جو سیاسی جماعتیں تشکیل دیں، انھوں نے اپنے کارکنوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے کے بجائے ارادت کے جذبات کو پروان چڑھایا۔انھیں اس بات کی ترغیب دی کہ قائد ہی کی بات حرف آخر ہے۔آج اگر وہ کسی بات کو غلط کہتا ہے تو وہ سراسر باطل ہے اور کل اسی بات کو صحیح کہتا ہے تو وہ عین حق ہے۔ جماعت کے اندر اسی شخص کو ترقی کے مواقع فراہم کیے جو قائد کے اشارے پر بے بہا مال و زر لٹانے کے لیے تیار ہو یا اس کی مدح سرائی میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے والا ہو۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ملکی سطح پر تو جمہوریت کے نعرے خوب بلند کیے، مگر اپنی جماعتوں کے اندر بدترین آمریت کا مظاہرہ کیا۔نہ کارکنوں کو اپنے قائدین منتخب کرنے کا موقع فراہم کیا، نہ نیچے سے اوپر تک مشاورت کا کوئی نظام وضع کیا اور نہ آزادی رائے کی گنجایش باقی رکھی۔عوام کو جب بھی سڑکوں پر نکالا تو اس مقصد کے لیے نکالا کہ وہ اپنی جانوں، اپنی املاک اور اپنے وقت کی قربانی دے کر ان کے اقتدار کی راہیں ہموار کریں۔

عوام کے ساتھ اس طرز عمل کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلا کہ وہ ان سے پوری طرح مایوس ہو گئے۔ان اہل سیاست پر نہ انھیں اعتماد رہا اور نہ کوئی تعلق خاطر وہ باقی رکھ سکے۔یہی وجہ ہے کہ اگر ہم انتخابات کے موقع پر ان سیاست دانوں کے لیے عوام کی حمایت کا تجزیہ کریں تو اس کی حقیقت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی دانست میں بڑی برائی کے مقابلے میں چھوٹی برائی کو ترجیح دے رہے ہوتے ہیں۔

ان اہل سیاست کی تیسری بڑی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے ان جمہوری اقدار کو بھی پامال کر ڈالا جو ان کی اپنی بقا کے لیے ضروری تھیں۔وہ وعدے جن کی بنا پر انھوں نے عوام سے ووٹ لیے، برسر اقتدار آ کر ان پر عمل تو کجا، کسی کو یاد بھی نہیں رہے۔وہ جماعتیں جن کی حمایت سے وہ ایوان حکومت میں پہنچے، ان سے اپنی وفاداری تبدیل کر لینے میں انھیں کبھی تردد

نہ ہوا۔ وہ آئین اور قوانین جنھیں انھوں نے خود تخلیق کیا اور جن کی حفاظت پر وہ مامور ہوئے، ان کی خلاف ورزی کو سیاسی عمل کی ضرورت سمجھا۔ پارلیمنٹ میں اختلاف برائے اختلاف ہی کی روایت قائم کی۔ اگر حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھے تو حکومت کے صحیح اقدامات کی بھی مخالفت کی اور اگر مسند حکومت پر فائز ہوئے تو حزب اختلاف کے وجود ہی کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔ قوم کی معاشی بدحالی کے باوجود ایسی مراعات کو اپنے لیے مختص کیا جو دنیا کی بڑی ریاستوں کے ارباب اقتدار کو بھی حاصل نہیں ہیں۔ قومی خزانے میں مالی بدعنوانی کی ایسی داستانیں رقم کیں جنھیں سن کر راہ زن بھی کانوں کو ہاتھ لگائیں۔ اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلا کہ سیاسی جماعتیں ہوں یا مقنّنہ اور انتظامیہ کے جمہوری ادارے، سب تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔

یہ اس طرز عمل کی ایک جھلک ہے جو ہمارے سیاست دانوں نے گزشتہ نصف صدی میں پیش کیا ہے۔ یہ تصویر سامنے لانے سے ہمارا مقصود یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ ان کے بجائے کسی اور طرف رجوع کریں، بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اہل سیاست اس آئینے کو اپنے سامنے رکھیں اور قومی تعمیر کے لیے اپنے کردار کو نئے سرے سے ترتیب دیں۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل عمران

(۲۷)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ، قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْھَا، قُلْتُمْ: اَنّٰی ھٰذَا؟ قُلْ: ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ، فَبِاِذْنِ اللّٰہِ، وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا، وَقِیْلَ لَھُمْ:

اور (ہاں)، جب ایک مصیبت تمھیں پہنچی جس سے دوگنی مصیبت (اِس سے پہلے بدر میں) تم نے (اُنھیں) پہنچائی تھی تو کیا یہ بات بھی تم نے کہی کہ یہ کہاں سے آگئی؟[۲۴۷] اِن سے کہہ دو، (اے پیغمبر) کہ یہ تمھاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے۔ (اللہ فتح دیتا ہے تو اپنی حکمت کے مطابق شکست بھی دلواتا ہے)، اِس لیے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔[۲۴۸] اور (مزید یہ کہ) جب دونوں فوجیں بھڑیں تو اُس دن جو مصیبت تم پر آئی، وہ اللہ کے اذن سے آئی اور اِس لیے آئی کہ اللہ اُن کو بھی دیکھ لے جو سچے مومن ہیں اور اُن کو بھی جو

---

[۲۴۷] یہ اعتراض جن لوگوں نے کیا، وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ خدا کے رسول تو اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں اور فرشتے ہر موقع پر ان کی مدد کرتے ہیں، اس لیے یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو کسی معرکے میں شکست ہو جائے۔ اس خیال کے لوگ احد کی شکست سے سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے متعلق بھی ان کے دل میں طرح طرح کے شبہات پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ منافقین نے ان کی

تَعَالَوُا قَاتِلُوُا فِیُ سَبِیُلِ اللّٰهِ، اَوِ ادُفَعُوُا، قَالُوُا: لَوُ نَعُلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعُنٰكُمُ، هُمُ لِلُكُفُرِ يَوُمَئِذٍ اَقُرَبُ مِنُهُمُ لِلُاِيُمَانِ، يَقُوُلُوُنَ بِاَفُوَاهِهِمُ مَّا لَيُسَ فِیُ قُلُوُبِهِمُ، وَاللّٰهُ اَعُلَمُ بِمَا يَكُتُمُوُنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيُنَ قَالُوُا لِاِخُوَانِهِمُ، وَقَعَدُوُا، لَوُ اَطَاعُوُنَا مَا قُتِلُوُا، قُلُ: فَادُرَءُ وُا عَنُ اَنُفُسِكُمُ الُمَوُتَ، اِنُ كُنُتُمُ صٰدِقِيُنَ ﴿١٦٨﴾

وَلَا تَحُسَبَنَّ الَّذِيُنَ قُتِلُوُا فِیُ سَبِيُلِ اللّٰهِ اَمُوَاتًا، بَلُ اَحُيَآءٌ عِنُدَ رَبِّهِمُ،

(ابتدا ہی سے) منافقت اختیار کیے ہوئے تھے اور اُن سے کہا گیا کہ آؤ، اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم سے کم (اپنے شہر کی) مدافعت ہی کرو تو اُنھوں نے کہا تھا کہ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہونی ہے تو ضرور تمھارے ساتھ چلتے۔ اُس دن ایمان سے زیادہ یہ کفر کے قریب تھے۔ یہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہہ رہے تھے جو اِن کے دل میں نہیں تھیں اور اللہ خوب واقف تھا اُس سے جو یہ چھپائے ہوئے تھے۔ یہی جو بیٹھے رہے اور اپنے (اُن) بھائیوں کے بارے میں (جو لڑنے کے لیے نکلے) کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو (اِس طرح) قتل نہ ہوتے۔[٢٤٩] اِن سے کہہ دو کہ اپنی موت کو ٹال کر دکھانا، اگر تم سچے ہو۔ ١٦٥-١٦٨

(اِن باتوں کی پروا نہ کرو، اے پیغمبر) اور (اِس جنگ کے دوران میں) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، اُنھیں ہرگز مردہ خیال نہ کرو۔ (وہ مردہ نہیں)، بلکہ اپنے پروردگار کے حضور میں زندہ ہیں،

اس ذہنی کیفیت سے فائدہ اٹھایا اور اس شکست کو آپ کے خلاف ایک دلیل کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا۔ قرآن نے اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیات میں اسی غلط فہمی کو دور کیا ہے اور اس موقع پر جو آزمایش پیش آئی، اس کی حکمت واضح فرمائی ہے۔

[٢٤٨] یہ اس غلطی کی طرف اشارہ ہے جو احد کی جنگ میں درے کی حفاظت کے لیے کھڑے ہوئے لوگوں سے ہوئی۔ انھوں نے حکم کی خلاف ورزی کی اور مال غنیمت کی طمع میں اپنی جگہ چھوڑ دی جس کے نتیجے میں مسلمان اس مصیبت سے دوچار ہوئے جس کا ذکر ان آیتوں میں ہوا ہے۔

[٢٤٩] یہ قرآن نے ایک گفتگو جنگ سے پہلے اور ایک اس کے بعد کی نقل کر کے گویا آئینہ فراہم کر دیا ہے، جس میں ان منافقین کے چہرے دیکھ لیے جا سکتے تھے۔

يُرْزَقُوْنَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ، وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ
يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١٧٠﴾
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ، وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾
اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ، لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اُنھیں روزی مل رہی ہے۔ اللہ نے جو کچھ اپنے فضل میں سے اُنھیں عطا فرمایا ہے، اُس پر شاداں و فرحاں، اُن کے اخلاف میں سے جو لوگ ابھی اُن سے نہیں ملے، اُن کے بارے میں بشارت حاصل کرتے ہوئے کہ (خدا کی اِس ابدی بادشاہی میں) اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے، اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل سے خوش وقت اور اِس بات سے کہ ایمان والوں کے اجر کو اللہ کبھی ضائع نہ کرے گا،[۲۵۰] اُن لوگوں کے اجر کو جنھوں نے چوٹ کھانے کے بعد بھی اللہ اور اُس کے رسول کی آواز پر لبیک کہی ہے۔[۲۵۱] اُن

---

[۲۵۰] ان آیتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کے ذریعے سے قرآن نے نہایت بلاغت کے ساتھ وہ تمام اثرات مٹا دیے ہیں جو منافقین مسلمانوں، بالخصوص شہدا کے پس ماندگان کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتے تھے۔

[۲۵۱] یہ اس مہم کا ذکر ہے جس کی منادی اللہ ورسول کی طرف سے احد کی جنگ کے بعد دشمن کے تعاقب کے لیے کی گئی۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... تاریخ وسیرت کی کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد قریش کی فوج اول اول تو واپس چلی گئی، لیکن روحاء کے مقام تک پہنچنے کے بعد ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو احساس ہوا کہ انھوں نے اس قدر جلد واپس ہونے میں سخت غلطی کی ہے، لگے ہاتھوں انھیں مدینے کا قصہ بھی پاک کر دینا تھا۔ یہ سوچ کر انھوں نے اپنی فوج کی از سر نو تنظیم شروع کر دی اور ادھر مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے منافقین کے ذریعے سے یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ قریش نئے ساز و سامان سے مدینے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حضور کو جب اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے بھی لوگوں کو قریش کے تعاقب کے لیے تیار ہو جانے کا حکم دے دیا۔ اس فوج میں صرف انھی لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت دی گئی جو پہلے روز کی جنگ میں شریک رہے تھے۔ یہ احتیاط غالباً اس لیے کی گئی کہ منافقین کے لوث سے یہ لشکر پاک رہے۔ چنانچہ حضور جاں نثاروں کی ایک جماعت کے ساتھ ابوسفیان کے تعاقب میں نکلے اور حمراء الاسد تک گئے جو مدینہ سے ۸ میل کے فاصلے پر ہے۔ ابوسفیان نے جب دیکھا کہ ابھی

www.javedahmadghamidi.com www.ghamidi.net

مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيۡنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ: اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا
لَكُمۡ فَاخۡشَوۡهُمۡ، فَزَادَهُمۡ اِيۡمَانًا، وَّقَالُوۡا: حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ ﴿۱۷۳﴾
فَانۡقَلَبُوۡا بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ، لَّمۡ يَمۡسَسۡهُمۡ سُوۡٓءٌ، وَّاتَّبَعُوۡا رِضۡوَانَ اللّٰهِ،
وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَظِيۡمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيۡطٰنُ يُخَوِّفُ اَوۡلِيَآءَهٗ فَلَا

میں سے جنھوں نے خوبی سے کام کیے اور خدا سے ڈرتے رہے،[۲۵۲] اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ یہ وہ ہیں کہ جنھیں لوگوں نے کہا کہ تمھارے خلاف بڑی قوت جمع ہوگئی ہے، اُس سے ڈرو تو اُن کا ایمان یہ سن کر اور بڑھ گیا اور اُنھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔[۲۵۳] سو وہ اللہ کی نعمت اور اُس کا فضل لے کر (اِس مہم سے) واپس آئے، اُن کو کوئی گزند نہیں پہنچا اور وہ اللہ کی خوشنودی کے طلب گار رہے اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ بڑی عنایت کرنے والا ہے۔ (اب یہ بات تو تم پر واضح ہوگئی کہ) یہ شیطان ہے جو اپنے ساتھیوں کے ڈراوے دے رہا

مسلمانوں کے حوصلے میں کوئی فرق نہیں آیا ہے تو ارادہ بدل دیا اور مسلمان کامیاب و بامراد واپس آ گئے۔“

(تدبر قرآن ۲/۲۱۶)

[۲۵۲] اصل میں 'لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں 'احسان' سے مراد اللہ و رسول کی وفاداری کے حق کو بہتر سے بہتر صورت میں ادا کرنا ہے اور 'تقویٰ' کے معنی نفاق کی تمام آلایشوں سے بچنے کے ہیں۔

[۲۵۳] یہ بات بھی، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے کہی گئی، لیکن ان کے عزم و جزم میں اس سے کوئی فرق نہیں آیا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہ خبر بجائے اس کے کہ ان کے اندر خوف و ہراس پیدا کرتی، ان کے عزم و ایمان کو بڑھانے کا سبب بن گئی۔ قاعدہ ہے کہ جس کنوئیں کے سوتے زوردار ہوں، اس کے اندر سے جتنا ہی پانی نکالا جائے، اتنا ہی اس کے سوتے اور زیادہ جوش کے ساتھ ابلتے ہیں۔ اسی طرح آگ اگر قوت ور ہو تو گیلی لکڑی بھی اس میں ڈال دیجیے تو اس کو بھی اپنی غذا بنا کر مزید طاقت ور بن جاتی ہے۔ یہی حال اصحاب عزم و ایمان کا ہے۔ ان کو بھی رکاوٹیں ضعیف کرنے کے بجائے اور زیادہ پرعزم اور پرحوصلہ بنا دیتی ہیں۔ ہر آزمایش ان کی مخفی صلاحیتوں کے لیے مہمیز کا کام

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

تَخَافُوْهُمْ، وَخَافُوْنِ، اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴿۱۷۵﴾

تھا[۲۵۴]۔ سو اِن سے مت ڈرو، اگر تم سچے مومن ہو تو صرف مجھ سے ڈرو۔ ۱۶۹—۱۷۵

دیتی ہے اور ہر امتحان ان کے لیے فتح مندی کا نیا میدان کھولتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۲/۲۱۷)

[۲۵۴] شیطان کے ساتھیوں سے مراد، ظاہر ہے کہ یہاں قریش اور ان کے اعوان و انصار ہیں۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

معز امجد

خدا کے احترام سے متعلق ایک روایت

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

روایت کا مضمون

ترمذی، رقم ۲۲۲۴ کے مطابق روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من أهان سلطان اللّٰه فی الأرض أهانه اللّٰه.

''جس شخص نے زمین پر اللہ کے اقتدار کی توہین کی، اللہ (آخرت میں) اسے رسوا کرے گا۔''

روایت پر تبصرہ

ترمذی کے علاوہ یہ روایت بعض اختلافات کے ساتھ درج ذیل مقامات پر نقل ہوئی ہے:

بیہقی، رقم ۱۶۴۳۶۔ احمد بن حنبل، رقم ۲۰۴۵۰، ۲۰۵۱۳۔ مسند الطیالسی، رقم ۸۸۷۔

امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ روایت حسن غریب ہے۔

بعض روایات مثلاً احمد بن حنبل، رقم ۲۰۴۵۰ کے مطابق یہ روایت بعض اضافوں کے ساتھ اس طرح نقل ہوئی ہے:

من أكرم سلطان اللّٰه تبارك و تعالیٰ فی الدنیا أكرمه اللّٰه یوم القیامة و من أهان سلطان اللّٰه تبارك و تعالیٰ فی

''جس نے دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اقتدار کی تکریم کی، اللہ قیامت کے دن اسے عزت بخشے گا اور جس نے دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اقتدار کی

الدنیا أهانه اللّٰه یو م القیامة. توہین کی، اللہ قیامت کے دن اسے رسوا کرے گا۔‘‘

موجودہ دور میں علم حدیث کے ایک بڑے عالم ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی بعض کتابوں[1] میں اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح کے درجے کی نہیں ہے، بلکہ یہ ضعیف یا حسن روایت ہے۔ان کی اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ اس روایت کا ایک راوی زیاد بن کسیب غیر معروف ہے اور نقل روایت میں منفرد ہونے کی وجہ سے اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

خلاصۂ بحث

اس روایت کی سند کے بارے میں علامہ البانی صاحب کے تبصرے کے بعد ہمیں اس بات پر اطمینان حاصل نہیں رہا کہ ہم یہ بات کہہ سکیں کہ یہ بات واقعتاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہوگی۔

تخریج: محمد اسلم نجمی

کوکب شہزاد

ترجمہ وترتیب: اظہار احمد

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

---

[1] ’’سلسلۂ احادیث ضعیفہ‘‘ ۳/۶۵۹، ’’سلسلۂ احادیث صحیحہ‘‘ ۵/۳۷۶۔

طالب محسن

کلمہ گو کی حیثیت

(مسلم، رقم ۳۳)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه. قَالَ قَدِمْتُ المدينة فلقيت عتبان فقلت حديث بلغني عنك قَالَ: اَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيءِ. فَبَعَثْتُ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي اُحِبُّ اَنْ تَاْتِيَنِي فَتُصَلِّي فِي مَنْزِلِي فَاَتَّخِذُهُ مُصَلًّى. قَالَ: فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِهِ. فَدَخَلَ فَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ. ثُمَّ أَسْنَدُوا عُظْمَ ذٰلِكَ وَكُبْرَهُ إِلٰى مَالِكِ ابْنِ دُخْشُمْ. قَالُوا: وَدُّوا أَنَّهُ دَعَا عَلَيْهِ فَهَلَكَ. وَوَدُّوا أَنَّهُ أَصَابَهُ شَرٌّ. فَقَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ. وَقَالَ: أَلَيْسَ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ. قَالُوا: اِنَّهُ يَقُولُ ذٰلِكَ وَمَا هُوَ فِي قَلْبِهِ. قَالَ: لَا يَشْهَدُ أَحَدٌ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ

اللّٰهِ فَیَدُخُلُ النَّارَ أَوُ تَطُعَمُهُ.

قَالَ أَنَسٌ فَأَعُجَبَنِی هٰذَا الُحَدِیُثُ فَقُلُتُ لِابُنِی اکُتُبُهُ فَکَتَبَهُ.

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ بات عتبان بن مالک کے بارے میں محمود بن ربیع نے بتائی تھی۔ انھوں نے بیان کیا تھا کہ میں مدینے آیا تو عتبان سے ملا۔ میں نے ان سے کہا: مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی ہے۔ (میں اسے آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں)۔ انھوں نے کہا: میری آنکھوں میں کوئی تکلیف ہوگئی تھی۔ (جس کے باعث مجھے نظر آنا بند ہوگیا)۔ چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی درخواست بھیجی کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں تشریف لائیں پھر میرے ہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو اپنی نماز کے لیے مخصوص کرلوں۔ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کچھ صحابہ بھی جن کا آنا اللہ کو منظور ہوا تشریف لائے۔ آپ داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے اور آپ کے صحابہ باہم باتیں کرنے لگے۔ اس گفتگو میں انھوں نے بڑی بڑی (قبیح) باتیں مالک بن دخشم سے منسوب کر دیں۔ یہ بھی کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ آپ اس کے لیے بددعا کریں تاکہ وہ ہلاک ہوجائے یا ان کی تمنا یہ ہے کہ اس پر کوئی بڑی مصیبت آئے۔ اس دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا: کیا یہ آدمی اس بات کا برملا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہنے لگے: وہ یہ کہتا تو ہے، لیکن یہ اس کے دل کی بات نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: کوئی نہیں جو یہ اقرار کرتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور پھر جہنم میں چلا جائے یا آگ اسے لقمہ بنائے۔

انس کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت اچھی لگی، چنانچہ میں نے اپنے بیٹے سے کہا: اسے لکھو اور اس نے لکھ لی۔''

حَـدَّثَـنِـی عِتُبَـانُ بُنُ مَالِكٍ أَنَّهُ عَمِیَ فَأَرُسَلَ اِلَی رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَقَالَ: تَعَالَ فَخُطَّ لِي مَسْجِدًا. فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَاءَ قَوْمُهُ. وَنُعِتَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ مَالِكُ بْنُ دُخْشُمٍ. ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ.

''عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نابینا ہو گئے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا اور کہا: آپ تشریف لائیے اور میرے لیے مسجد متعین کر دیجیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے لوگ بھی آئے۔ (اس موقعے پر) ان کے ایک آدمی مالک بن دخشم کے بارے میں بہت سی باتیں ہوئیں۔ اس کے بعد واقعات اوپر والی روایت کے مطابق بیان کیے۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

لغوی مباحث

أصابني في بصري بعض الشيء: یہ محاورہ ہے۔ لفظی مطلب 'میری نظر کو کچھ ہو گیا' ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری نظر کم زور ہو گئی ہے۔ بعض روایات میں تصریح ہے کہ وہ نابینا ہو گئے تھے۔

أسندوا عظم ذلك وكبره الى...: لفظی مطلب ہے کہ انھوں نے اس کی طرف بڑی بڑی باتیں منسوب کیں...۔ لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ نفاق اور منافقین کے ساتھ ربط وضبط کی نسبت کی۔

معنی

اس روایت کے دو حصے ہیں ایک حصہ اس واقعے کے بیان پر مشتمل ہے کہ ایک صحابی یعنی عتبان رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ ان کے ہاں تشریف لائیں اور ان کے گھر میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے اپنے نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی۔ آپ ان کے ہاں تشریف لائے۔ ان کی مرضی کی جگہ پر دو رکعت نماز ادا کی۔

یہ واقعہ چند حوالوں سے اہم ہے۔ ایک یہ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق میں کس قدر جذبات

رکھتے تھے۔ان کے ہاں یہ تصور موجود تھا کہ حضور کی ذات سے نسبت رکھنے میں بھی برکات وثمرات ہیں۔حضرت عتبان رضی اللہ عنہ مسجد کی حاضری سے محروم ہو گئے۔ان کے ذہن میں اس کا متبادل یہ آیا کہ حضور ان کے گھر میں کسی جگہ اگر نماز ادا کر دیں تو اس کمی کی تلافی ہو سکتی ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ خواہش آئی تو آپ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے واضح ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا خیال درست تھا۔

سورۂ توبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے بارے میں یہ ہدایت فرمائی:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ، وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ. (۹:۱۰۳)

''تم ان کے مالوں کا صدقہ قبول کرو۔اس سے تم ان کو پاکیزہ بناؤ گے اور ان کا تزکیہ کرو گے۔اور ان کے لیے دعا کرو،تمھاری دعا ان کے لیے سرمایۂ تسکین ہے۔اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اس آیۂ کریمہ میں حضور کی دعا کو صحابہ کے لیے سرمایۂ تسکین قرار دیا گیا ہے۔اس کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ ایزدی میں مقبول ہونا یقینی ہے۔یہی چیز ہے جو صحابہ میں حضور کے ساتھ ایک خاص تعلق کے پیدا کرنے کا سبب بنی۔یہاں یہ نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ انبیا و رسل کے علاوہ دنیا کی کوئی ہستی اپنے مقبول بارگاہ ہونے کا یقین نہیں رکھ سکتی۔چنانچہ اپنے بارے میں اس طرح کا دعویٰ محض خام خیالی ہے۔اور اس طرح کے کسی مدعی کے ساتھ وہ تعلق رکھنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ رکھتے تھے،اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

روایت کا دوسرا حصہ ایک صحابی مالک ابن دخشم کے بارے میں صحابہ کی گفتگو اور اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ردعمل سے متعلق ہے۔اس روایت کے دوسرے متون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گفتگو کے شرکا کے خیال میں ان کا تعلق منافقین سے تھا اور ان کے ایمان کو ظاہری ایمان سمجھا جا رہا تھا۔دوسری طرف ان کے بارے میں یہ تصریح شارحین کے ہاں موجود ہے کہ ان کا بیعت عقبہ میں شریک ہونا تو یقینی نہیں ہے،لیکن ان کی بدر میں شرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گفتگو کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا،اس سے یہ یقین کے ساتھ تو کہنا مشکل ہے کہ آپ نے ان صاحب کے نفاق کی نفی کی ہے۔اگرچہ بعض شارحین نے حضور کے جواب سے یہی نتیجہ نکالا ہے۔لیکن اتنی بات بہر حال کہی جا سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں کیا اور ایمان کے قول کے پیچھے جھانکنے کو غلط قرار دیا۔اس سے گمان پیدا ہوتا ہے کہ حضور کو ان صاحب کے بارے میں اس رائے سے اتفاق نہیں

www.javedahmadghamidi.com

تھا۔صحابہ کی گفتگو سے یہ بات بہر حال واضح ہے کہ قرائن ایسے تھے کہ یہ گفتگو کی جا سکے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ یہی ہے کہ قرائن خواہ کیسے ہی قوی ہوں، کسی کے باطن کے بارے میں رائے قائم کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گفتگو میں ایک اصولی بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا ہو، وہ جہنم میں نہیں جا سکتا۔ ہم پہلے بھی یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ احادیث میں منقول اس طرح کے الفاظ اپنی ظاہری دلالت میں قرآن کے خلاف ہیں۔ لہٰذا ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم انھیں مشروط اور محدود معنوں میں لیں۔ یعنی ایمان سے یہاں حقیقی ایمان مراد ہے اور اس کے ساتھ کبائر سے اجتناب اور اعمال صالحہ پر عمل کی شرط لگی ہوئی ہے۔ اس مضمون کے حامل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات کے مطالعے سے بھی یہی بات مؤکد ہوتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

متون

تفصیلات کے اعتبار سے اس روایت کے متون میں نمایاں اختلافات ہیں۔ پہلے حصے میں ایک اختلاف تو یہ ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ خود حاضر ہوئے تھے یا انھوں نے کسی کے ذریعے سے یہ درخواست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی تھی۔ کچھ روایتیں ایک بات کہتی ہیں اور کچھ دوسری۔ بعض شارحین نے اس تضاد کو اس طرح حل کیا ہے کہ ایک مرتبہ تو یہ خود حاضر ہوئے تھے اور دوسری بار کسی دوسرے کو بھیجا تھا۔ امام مسلم نے بلا بھیجنے والے متون کو ترجیح دی ہے۔ ان کی معذوری کو پیش نظر رکھیں تو یہ بات زیادہ قرین قیاس لگتی ہے۔ دوسرا اختلاف نماز اکیلے پڑھنے اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ہے۔ ہمارے پیش نظر روایت میں یہی بیان ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے نماز پڑھی تھی اور اس دوران میں صحابہ باتیں کر رہے تھے۔ دوسرے متون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے ساتھ صحابہ نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھی تھی۔ جس گفتگو کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ گفتگو نماز کے بعد حضور کے سامنے ہوئی تھی۔ امام مسلم کے انتخاب اور گفتگو کے الفاظ میں زیادہ مناسبت ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی میں شریک گفتگو ہوتے تو مکالمے کی نوعیت دوسری ہوتی۔ تیسرا اختلاف ان متون میں حضرت عتبان کے تندرستی کی حالت میں نماز پڑھنے کی جگہ کے بارے میں ہے۔ بعض متن یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد نبوی میں حضور کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اور بعض میں یہ تصریح ہے کہ یہ اپنے قریے کے امام تھے۔ ان کے اپنے قریے کے امام ہونے کے حق میں قرائن زیادہ ہیں، لیکن اس باب میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متون سے کچھ تفصیلات بھی سامنے آتی ہیں۔ بعض متون میں یہ تصریح ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ شام سے واپسی پر اہتمام کر کے حضرت عتبان سے سنا تھا۔ بعض متون میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کا تعارف بھی منقول ہے کہ وہ انصار میں سے تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جنھوں نے بدر میں شرکت کی تھی۔ بعض روایات میں بیان ہوا ہے کہ حضرت عتبان رضی اللہ عنہ نے اپنی معذوری کے ساتھ ساتھ بارشوں کے باعث کیچڑ کو بھی مسجد کی حاضری میں حائل عذر کے طور پر پیش کیا تھا۔ کچھ متون میں یہ وضاحت بھی کی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن چڑھے ان کے گھر آئے تھے اور آتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لیتے ہوئے آئے تھے۔ مزید براں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور کی آمد کا سن کر محلے کے بہت سے لوگ بھی ان کے گھر میں جمع ہو گئے تھے۔ بعض روایات میں گھر میں داخل ہونے سے پہلے حضور کے اجازت لینے کا ذکر بھی ہوا ہے۔

یہ فرق تو جزئیات اور تفصیلات کے تھے۔ ان کے بیان کرنے کے لیے الفاظ کے انتخاب میں بھی فرق ہے۔ جن کی تفصیل کرنا محض طوالت کا باعث ہوگا۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کتابیات

بخاری، رقم ۴۱۵، ۵۰۸۶۔ مسلم، رقم ۳۳۔ نسائی، رقم ۸۴۴، ۱۳۲۷۔ احمد، رقم ۱۶۵۲۹، ۱۶۵۳۰، ۱۶۵۳۱، ۲۳۸۲۱، ۲۳۸۲۲۔ ابن حبان، رقم ۴۵۳۴۔ سنن کبریٰ، رقم ۹۱۸، ۱۲۵۰، ۱۰۹۴۷۔ ابو یعلیٰ، رقم ۱۵۰۷، ۳۴۶۹۔ معجم کبیر، رقم ۴۷۔ الآحاد والمثانی، رقم ۱۹۳۲، ۱۹۳۳۔ بیہقی، رقم ۴۹۳۸۔

جاوید احمد غامدی

ایمانیات

(۴)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

یہ دینونت آخری مرتبہ ساتویں صدی عیسوی میں برپا ہوئی۔ انسانی تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ تاریخ کی روشنی میں ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے جزئیات تک بالکل محفوظ اور اس کے تمام مراحل گویا آنکھوں کے سامنے ہیں جنھیں کوئی شخص جب چاہے، تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھ سکتا ہے۔

اس کے لیے جس پیغمبر کا انتخاب کیا گیا، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ آپ سیرت و کردار میں ساری انسانیت سے بلند، نسل انسانی کے بہترین فرد اور آخری درجے میں ایک معیاری انسان تھے۔ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اس سے پہلے آپ کی پوری زندگی اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھی کہ آپ کی قوم آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتی تھی۔ اس کا ایک ایک فرد یہ گواہی دینے کے لیے تیار تھا کہ آپ کی امانت و دیانت ہر شبے سے بالا ہے اور آپ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ نبوت کے بعد بھی آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کے متعلق ہر موقع پر یہی شہادت دی، دراں حالیکہ اس وقت وہ آپ کی جان کے دشمن ہو چکے تھے۔

پہلی مرتبہ جب آپ کو وحی کا تجربہ ہوا اور آپ نے اپنی اہلیہ سے پریشانی کا اظہار کیا تو انھوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: بخدا، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، اس لیے کہ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، آپ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ آفت زدوں کی

مدد کرتے ہیں۔[11]

اپنی ذات کے لیے آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمنوں پر آخری فتح پانے کے بعد بھی آپ نے یہی کہا کہ جاؤ، تم سب آزاد ہو، میں تمھارے خلاف کوئی دارو گیر نہ کروں گا۔[12]

آپ کی زندگی بے غرضی کا بے مثل نمونہ تھی۔ قریش نے آپ کو مال و دولت، سرداری، بادشاہی، ہر چیز کی پیش کش کی، لیکن آپ نے ان میں سے کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوں گا۔[13]

مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہوئی، مگر آپ نہایت معمولی حالت میں رہے۔ آپ کے حالات میں اس قدر غیر معمولی تبدیلی کے باوجود آپ کے رہن سہن اور طرز زندگی میں کوئی ادنیٰ تبدیلی بھی نہیں آئی۔

غرض یہ کہ اپنی زندگی کے ہر دور اور ہر معاملے میں آپ ایک بے نظیر انسان تھے۔ ساری معلوم تاریخ میں کسی ایک شخص کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا جس نے اخلاقیات کے جو آدرش بیان کیے ہوں، انھیں لوگوں نے اس کی زندگی میں اس طرح بہ تمام و کمال ظاہر ہوتے دیکھا ہو۔ دور حاضر کے ایک عالم اور مصنف کے الفاظ ہیں: آپ کی انسانیت اتنی بلند تھی کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو تاریخ کو لکھنا پڑتا کہ اس طرح کا انسان نہ کوئی پیدا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔[14]

آپ پر جو کتاب نازل ہوئی، وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ تمام کتابوں میں یہ ایک ہی کتاب ہے جس نے اپنے مخاطبین کو چیلنج کیا کہ وہ اگر اپنے اس گمان میں سچے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ محمد اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہے ہیں تو جس شان کا یہ کلام ہے، اس شان کی کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کریں۔ ان کی قوم کا ایک فرد اگر ان کے بقول بغیر کسی علمی اور ادبی پس منظر کے یہ کام کر سکتا ہے تو انھیں بھی اس میں کوئی دقت نہ ہونی چاہیے۔

قرآن کا یہ دعویٰ ایک حیرت انگیز دعویٰ تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جس کے مانند کوئی کلام انسانی ذہن کے لیے تخلیق کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کے لحاظ سے قرآن کی غیر معمولی انفرادیت کا دعویٰ تھا۔ یہ اس بات کا دعویٰ تھا کہ وہ کوئی ایسا کلام پیش کریں جس میں قرآن ہی کی طرح خدا بولتا ہوا

۱۱؎ بخاری، رقم ۴۹۵۲۔ مسلم، رقم ۱۶۰۔

۱۲؎ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۴/ ۴۳۔

۱۳؎ السیرۃ النبویہ، ابن اسحاق ۱۱۷۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ۱/ ۴۷۴۔

۱۴؎ مذہب اور جدید چیلنج، وحید الدین خاں ۱۴۳۔

نظر آئے، جوان حقائق کو واضح کرے جن کا واضح ہونا انسانیت کی شدید ترین ضرورت ہے اور وہ کسی انسان کے کلام سے کبھی واضح نہیں ہوئے، جو ان معاملات میں رہنمائی کرے جن میں رہنمائی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ایک ایسا کلام جس کے حق میں وجدان گواہی دے، علم وعقل کے مسلمات جس کی تصدیق کریں، جو ویران دلوں کو اس طرح سیراب کر دے، جس طرح مردہ زمین کو بارش سیراب کرتی ہے، جس میں وہی شان اور وہی تاثیر ہو جو قرآن کا پڑھنے والا، اگر اس کی زبان سے واقف ہو تو اس کے لفظ لفظ میں محسوس کرتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کے مخاطبین میں سے کوئی بھی اس چیلنج کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ، وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا، وَلَنْ تَفْعَلُوْا، فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ، اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ. (البقرہ ۲: ۲۳-۲۴)

’’اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں اگر تمھیں شبہ ہے تو (جاؤ اور) اِس کے مانند ایک سورہ ہی بنا لاؤ اور (اِس کے لیے) خدا کے سوا تمھارے جو زعما ہیں، انھیں بھی بلا لو، اگر تم (اپنے اس گمان میں) سچے ہو۔ پھر اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن یہ لوگ بھی ہوں گے (جو نہیں مانتے) اور ان کے وہ پتھر بھی (جنھیں یہ پوجتے ہیں)۔ وہ انھی منکروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔‘‘

پھر یہی نہیں، اس کتاب کے مختلف اجزا کم وبیش تیئیس سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً لوگوں کے سامنے پیش کیے گئے، لیکن اس میں فکر وخیال کا کوئی ادنیٰ تناقض بھی تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہو سکتا ہے جو سال ہا سال تک مختلف حالات میں اور مختلف موقعوں پر اس طرح کے متنوع موضوعات پر تقریریں کرتا رہے اور شروع سے آخر تک اس کی یہ تمام تقریریں جب مرتب کی جائیں تو ایک ایسے ہم رنگ اور متوافق مجموعۂ کلام کی صورت اختیار کر لیں جس میں نہ خیالات کا کوئی تصادم ہو، نہ متکلم کے دل ودماغ میں پیدا ہونے والی کیفیات کی کوئی جھلک دکھائی دے، اور نہ رائے اور نقطۂ نظر کی تبدیلی کے کوئی آثار کہیں دیکھے جا سکتے ہوں؟ یہ تنہا قرآن ہی کی خصوصیت ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ؟ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا. (النساء ۴: ۸۲)

’’پھر کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اور (حقیقت یہ ہے کہ) اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بڑے تضادات دیکھتے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

استاذ امام لکھتے ہیں:

"... قرآن کی ہر بات اپنے اصول اور فروع میں اتنی مستحکم اور مربوط ہے کہ ریاضی اور اقلیدس کے فارمولے بھی اتنے مستحکم و مربوط نہیں ہو سکتے۔ وہ جن عقائد کی تعلیم دیتا ہے، وہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجیے تو پورا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ وہ جن عبادات و طاعات کا حکم دیتا ہے، وہ عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہیں جس طرح تنے سے شاخیں پھوٹتی ہیں۔ وہ جن اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے، وہ اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح ایک شے سے اس کے قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی مجموعی تعلیم سے زندگی کا جو نظام بنتا ہے، وہ ایک بنیان مرصوص کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی الگ کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔" (تدبر قرآن ۲/ ۳۴۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.net

خدا کی یہ کتاب اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس پر کم و بیش چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس عرصے میں دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ بنی آدم نے نظریہ و خیال کے کتنے بت تراشے اور پھر خود ہی توڑ دیے۔ انفس و آفاق کے بارے میں انسان کے نظریات میں کتنی تبدیلیاں آئیں اور اس نے ترک و اختیار کے کتنے مرحلے طے کیے۔ وہ کس کس راہ سے گزرا اور بالآخر کہاں تک پہنچا، لیکن یہ کتاب جس میں بہت سی وہ چیزیں بھی بیان ہوئی ہیں جو ان پچھلی دو صدیوں میں علم و تحقیق کا خاص موضوع رہی ہیں، دنیا کے سارے لٹریچر میں بس ایک ہی کتاب ہے جو اس وقت بھی اسی طرح اٹل اور محکم ہے، جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ علم و عقل اس کے سامنے جس طرح اس وقت اعتراف عجز کے لیے مجبور تھے، اسی طرح آج بھی ہیں۔ اس کا ہر بیان آج بھی پوری شان کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ دنیا اپنی حیرت انگیز علمی دریافتوں کے باوجود اس میں کسی ترمیم و تغیر کے لیے کوئی گنجایش پیدا نہیں کر سکی:

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ، وَبِالْحَقِّ نَزَلَ، وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۰۵)	"اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ اترا ہے اور ہم نے تم کو، اے پیغمبر، صرف اس لیے بھیجا ہے کہ (ماننے والوں کو) بشارت دو اور (جو انکار کریں)، انھیں خبردار کر دو۔"

محمد رسول اللہ نے اسی کتاب کے ذریعے سے اپنی قوم کو خدا اور آخرت پر سچے ایمان کی دعوت دی، مگر قوم نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے انھیں خبردار کیا کہ نبوت کے ساتھ آپ رسالت کے منصب پر بھی فائز ہوئے اور خدا کی عدالت بن کر آئے ہیں، لہٰذا جو قیامت صغریٰ قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب اور عاد و ثمود کے لیے برپا ہوئی

تھی، وہ آپ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کی قوم کے لیے بھی برپا ہو جائے گی۔

یہ ایک غیر معمولی اعلان تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ آپ کے منکرین پر خدا کا عذاب آئے گا اور آپ کے ماننے والوں کو اس سرزمین میں لازماً غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ یہ اعلان جب کیا گیا تو چند قریبی لوگوں کے سوا کوئی بھی آپ کا حامی نہ تھا۔ اس کے بعد بھی آپ کی جدوجہد میں بہت سے نازک مرحلے آئے۔ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لیے آپ کے ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، انھیں مکہ سے ہمیشہ کے لیے نکلنا پڑا، وہ دن بھی دیکھنا پڑے جب مدینہ پہنچنے کے بعد پورا عرب آپ کو اور آپ کی دعوت کو مٹا دینے کے درپے ہوا۔ قوت، سرمایہ، پروپیگنڈا اور اندرونی سازشیں، سب روبہ عمل ہو گئیں۔ ہر لمحے یہ محسوس ہوتا تھا کہ چاروں طرف پھیلے ہوئے آپ کے دشمن آپ کو اچک لے جائیں گے۔ ان حالات میں یہ بالکل ناقابل قیاس تھا کہ آپ ان لوگوں پر غالب آ سکتے ہیں، لیکن قرآن نے ہر موقع پر اسی اعتماد اور قطعیت کے ساتھ فرمایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم اللہ آپ کو غالب کر کے رہے گا:[15]

يُرِيدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ، وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ. (الصّف ٦١: ٨-٩)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنے مونہوں کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا، اگرچہ ان منکروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے وہ (سرزمین عرب کے) تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ یہ مشرک اسے کتنا ہی ناپسند کریں۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ، اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ. كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ، اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلہ ٥٨: ٢٠-٢١)

''یہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، یہی ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی۔ اس لیے کہ اللہ قوی ہے، وہ بڑا زبردست ہے۔''

---

[15] الانعام ٦: ٥، ٤٩، ٦٧، ١٥٨۔ یونس ١٠: ١٣، ١٠٣۔ ہود ١١: ٨۔ الرعد ١٣: ٤٠۔ ٤١۔ بنی اسرائیل ١٧: ٧٧۔ الکہف ١٨: ٥٧۔ ٥٨۔ النمل ٢٧: ١٧۔ ٢٧۔ الصّٰفّٰت ٣٧: ١٧١۔ ١٧٣۔ المومن ٤٠: ٥١، ٧٧۔ ٧٨۔ الزخرف ٤٣: ٤١۔ ٤٢۔ الاحقاف ٤٦: ٣٥۔ الفتح ٤٨: ٢٢۔ ٢٥، ٢٨۔ القمر ٥٤: ٤٣۔ ٤٥۔ اللیل ٩٢: ٢١۔ الضحیٰ ٩٣: ٥۔ الم نشرح ٩٤: ٥۔ ٦۔

آپ کی بعثت جن لوگوں میں ہوئی، بیت اللہ ان کی سیادت کا نشان تھا۔ وہ اس کے متولی تھے۔ ام القریٰ مکہ اور اس کے نواح میں جو اثر و رسوخ انھیں حاصل تھا، اس کی بنا پر کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ایک دن اس کی تولیت سے انھیں معزول کر دیں گے اور قریش کی پوری قیادت ہلاک ہو جائے گی، لیکن عین اس وقت، جب وہ آپ کو مکے سے نکالنے کے درپے تھے، قرآن نے اعلان کیا:

اِنَّـآ اَعۡـطَيۡـنٰكَ الۡـكَـوۡثَـرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ. (الکوثر ۱۰۸: ۱-۳)

''ہم نے یہ خیر کثیر، (اپنا یہ گھر) تمھیں عطا کر دیا ہے، (اے پیغمبر)، اِس لیے تم (اِس میں اب) اپنے پروردگار ہی کی نماز پڑھنا اور اُسی کے لیے قربانی کرنا۔ اس میں شبہ نہیں کہ تمھارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے، اُس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

پھر اس اجمال کو قرآن نے کھول دیا اور آپ کی دعوت کے سب سے بڑے دشمن ابولہب کا نام لے کر فرمایا:

تَبَّتۡ يَدَآ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ، مَآ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَـالُـهٗ وَمَـا كَسَـبَ، سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَـبٍ، وَّامۡـرَاَتُـهٗ حَـمَّـالَةَ الۡحَطَبِ، فِىۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ. (اللہب ۱۱۱: ۱-۵)

''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ وہ (خیر) جو اُس نے کمایا۔ یہ (شعلہ رو) اب زیادہ دن نہ گزریں گے کہ شعلہ زن آگ میں پڑے گا اور (اِس کے ساتھ) اُس کی بیوی بھی۔ اِس طرح کہ (دوزخ میں) وہ (اپنے لیے) ایندھن ڈھو رہی ہوگی، (لونڈیوں کی طرح) اُس کے گلے میں بٹی ہوئی رسی ہوگی۔''

اس کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ قرآن نے ایک ایک مرحلے کو اس صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ کی مدد آئے گی، مکہ فتح ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ آپ کی قوم کے لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں:

اِذَا جَـآءَ نَـصۡـرُ الـلّٰـهِ وَالۡفَتۡحُ، وَرَاَيۡتَ النَّـاسَ يَـدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا، فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ، اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (النصر ۱۱۰: ۱-۳)

''اللہ کی مدد اور وہ فتح جب آ جائے، (اے پیغمبر، جس کا وعدہ ہم نے تم سے کیا ہے) اور تم لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لو تو اپنے پروردگار کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ اور اس سے

معافی چاہو، (اِس لیے کہ) وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے۔‘‘

پھر ایک موقع پر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ، وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا، يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ، لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡــًٔا، وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ، فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ. (النور۲۴: ۵۵)

’’تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اس ملک میں لازماً اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اس نے اُن لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا جو ان سے پہلے گزرے اور اُن کے اس دین کو (یہاں) مضبوطی سے قائم کر دے گا جو اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا اور جس خوف کی حالت میں وہ اس وقت ہیں، اسے امن میں بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرے ساتھ شریک نہ کریں گے، اور جو اس کے بعد بھی منکر ہوں گے، وہی ہیں جو نافرمان ٹھیریں گے۔‘‘

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

یہ کسی انسان کے الفاظ نہیں تھے کہ ابدی حسرتوں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ خدا کے الفاظ تھے جو اس کے پیغمبر کی زبان پر جاری ہوئے، اس لیے تھوڑے ہی دنوں میں تاریخ بن گئے، ایک ایسی تاریخ جس کی کوئی مثال دنیا کی تاریخ سے پیش نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ خدا کی نصرت آئی، مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہوئی، بدر کا معرکہ ہوا اور قریش کی قیادت میں آپ کی دعوت کے تمام معاندین اس میں ہلاک ہو گئے[۱۶]۔ ابولہب نے اس عذاب سے بچنے کی کوشش کی اور جنگ میں شامل نہیں ہوا، لیکن بدر کی شکست کے صرف سات دن بعد قرآن کی پیشین گوئی پوری ہو گئی اور بنی ہاشم کے اس سردار کا عدسے کی بیماری سے اس طرح خاتمہ ہوا کہ مرنے کے بعد تین دن تک کوئی اس کے پاس نہ آیا، یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور بدبو پھیلنے لگی۔ آخرکار ایک گڑھا کھدوایا گیا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اس کی لاش اس میں پھینک دی گئی[۱۷]۔ مکہ فتح ہوا، بیت اللہ کی تولیت مسلمانوں کو منتقل ہو گئی، خدا

۱۶؎ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۲/ ۱۹۷۔

۱۷؎ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ۲/ ۴۷۹۔

کے اس گھر کو بتوں سے پاک کر کے نماز اور قربانی، دونوں اللہ کے لیے خاص کر دی گئیں، پورا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر شخص نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ قرآن کی تعبیر کے عین مطابق لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ دین کو تمکن حاصل ہوا، خدا کی شریعت نافذ ہو گئی اور کسی دوسرے دین کا اقتدار سرزمین عرب میں باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ انکار پر قائم رہے، ان کے متعلق ۹ ہجری میں حج اکبر کے موقع پر اعلان کر دیا گیا کہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد وہ عذاب کی زد میں ہوں گے اور مسلمان انھیں جہاں پائیں گے، قتل کر دیں گے۔[۱۸] یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کے جانشینوں نے چند ہی برسوں میں ان سب سلطنتوں کا تختہ بھی الٹ دیا جن کے حکمرانوں کو اپنی وفات سے پہلے آپ نے خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی اور صاف بتا دیا تھا کہ وہ سلامتی چاہتے ہیں تو آپ کی دعوت قبول کر لیں، اس لیے کہ خدا کے رسول کی طرف سے اتمام حجت کے بعد انھیں لازماً مغلوب ہو کر رہنا ہے، ان کی سلطنت اب قائم نہیں رہ سکتی۔ ان میں روم و ایران کی وہ عظیم سلطنتیں بھی تھیں جن کی باہمی کشمکش میں ایک موقع پر قرآن نے پیشین گوئی کی تھی کہ رومی اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں، مگر عنقریب وہ ایرانیوں پر غلبہ پا لیں گے اور قرآن کی یہ حیرت انگیز پیشین گوئی بھی اس کی دوسری تمام پیشین گوئیوں کی طرح حرف بہ حرف پوری ہو گئی تھی۔[۱۹]

دین کی حجت اسی دینونت سے پورے عالم پر قائم ہوئی ہے۔ انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اتمام حجت ہے۔ یہ مقصد جب اس دینونت کے ظہور سے عالمی سطح پر پورا ہو گیا تو اعلان کیا گیا کہ نبوت ختم ہو گئی[۲۰] اور قرآن کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔[۲۱] یہ کتاب الٰہی اسی دینونت کی سرگزشت ہے اور اپنے ماننے والوں سے جس ایمان کا تقاضا کرتی ہے، وہ درج ذیل پانچ چیزوں سے عبارت ہے:

۱۔ اللہ پر ایمان

۲۔ فرشتوں پر ایمان

۳۔ نبیوں پر ایمان

۱۸؎ التوبہ ۹: ۵۔

۱۹؎ الروم ۳۰: ۱۔ ۶۔

۲۰؎ الاحزاب ۳۳: ۴۰۔

۲۱؎ الحجر ۱۵: ۹۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

۴۔ کتابوں پر ایمان

۵۔ روز جزا پر ایمان

ارشاد فرمایا ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ، وَقَالُوْا: سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، غُفْرَانَكَ رَبَّنَا، وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. (البقرہ ۲: ۲۸۵)

’’ہمارے پیغمبر نے تو اس چیز کو مان لیا جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل کی گئی، اور اُس کے ماننے والوں نے بھی۔ یہ سب اللہ پر ایمان لائے، اور اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لائے۔ (اِن کا اقرار ہے کہ) ہم اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے اور اِنھوں نے کہہ دیا ہے کہ ہم نے سنا اور سر اطاعت جھکا دیا۔ پروردگار، ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور (جانتے ہیں کہ) ہمیں لوٹ کر تیرے ہی حضور میں پہنچنا ہے۔‘‘

ہم یہاں ان کی وضاحت کریں گے، لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ایمان کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

منظور الحسن

''اسلام اور موسیقی''

''الاعتصام'' کی تنقید پر تبصرہ

—— ۲ ——

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اپنے مضمون میں ''قرآن اور موسیقی''، ''بائیبل اور موسیقی'' اور ''احادیث اور موسیقی'' کے ابواب کے بعد اگلا باب ہم نے ''موسیقی کی شناعت کے بعض پہلو'' کے زیرعنوان قائم کیا تھا اور اس میں یہ بیان کیا تھا کہ قرآن مجید تو موسیقی یا آلات موسیقی کی شناعت کے بارے میں خاموش ہے، البتہ بائیبل اور احادیث میں ان کی شناعت بیان ہوئی ہے۔ یہ شناعت علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ بعض موقعوں پر ان کے شراب نوشی اور فواحش سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہے۔ ''الاعتصام'' نے پہلے دو ابواب کی طرح اس باب پر بھی کوئی نقد وتبصرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس باب پر ہمارا مضمون اپنے مثبت استدلال کے لحاظ سے اصلاً ختم ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے ''موسیقی کی حرمت کا جائزہ'' کے زیرعنوان ایک فصل قائم کی تھی اور اس کے تحت قرآن وحدیث کے ان مقامات کا جائزہ پیش کیا تھا جنھیں موسیقی کی حرمت کے لیے بناے استدلال بنایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں پہلے ہم نے قرآن مجید پر مبنی استدلال پر بحث کی تھی۔ ''الاعتصام'' نے اس پر تفصیلی تنقید لکھی ہے۔ اس پر ہمارا تبصرہ حسب ذیل ہے۔

'لھو الحدیث' کے معنی

سورۂ لقمان کی آیت ۶ میں بیان ہوا ہے: ''اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو 'لھو الحدیث' خرید کر لاتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے علم کے بغیر بھٹکا دیں اور ان آیات کا مذاق اڑائیں۔'' اس آیت میں 'لھو الحدیث' کے الفاظ کا

مصداق غنا کو قرار دے کر بعض علما نے اسے موسیقی کی حرمت کے لیے بنائے استدلال بنایا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے بارے میں ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ مذکورہ الفاظ کا مصداق غنا کو قرار دینا کسی طور پر بھی صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہم نے جو استدلال پیش کیا تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ 'لھو الحدیث' کا لغوی مفہوم کھیل تماشے کی خبر، غافل کر دینے والی بات یا باطل چیز ہے۔ چنانچہ اس کے معنی غنا کرنا لغوی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

۲۔ آیت کے سیاق کلام میں بھی کوئی ایسا اشارہ موجود نہیں ہے کہ اس کا مصداق متعین طور پر غنا یا آلات غنا کو قرار دیا جا سکے۔

۳۔ 'لھو' کا لفظ قرآن مجید میں متعدد دوسرے مقامات مثلاً سورۂ عنکبوت کی آیت ۶۴، سورۂ انعام کی آیات ۳۲ اور ۷۰، سورۂ اعراف کی آیت ۵۱ اور سورۂ جمعہ کی آیت ۱۱ میں آیا ہے۔ ان میں سے کوئی مقام بھی غنا کے مصداق کی تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔

۴۔ بعض تفسیری اقوال میں اگرچہ اس کا مصداق غنا نقل ہوا ہے، مگر اس کے باوجود قدیم وجدید زمانے کے جلیل القدر مفسرین میں سے کسی نے بھی ان کا مصداق طے کرتے ہوئے غنا کی تخصیص نہیں کی۔ چنانچہ ابن جریر طبری نے اس کے معنی ''اللہ کی راہ سے غافل کر دینے والی بات''، زمخشری نے ''خیر کے کاموں سے غافل کرنے والی باطل چیز''، رازی نے ''بری بات''، امین احسن اصلاحی نے ''فضولیات''، ابوالکلام آزاد نے ''غافل کرنے والا کلام''، مفتی محمد شفیع نے ''کھیل کی باتیں'' اور ابوالاعلیٰ مودودی نے ''کلام دل فریب'' کے کیے ہیں۔

اس استدلال کی روشنی میں ہم نے بیان کیا تھا کہ 'لھو الحدیث' کے ان الفاظ کی بنا پر قرآن مجید کے حوالے سے حرمت غنا کی تعیین ہرگز درست نہیں ہے۔ مذکورہ آیت میں ان کا مفہوم اگر عربی لغت، عرف قرآن اور سیاق کلام کی روشنی میں سمجھا جائے تو اس سے مراد وہ گمراہ کن باتیں قرار پائیں گی جو مفسدین زمانۂ نزول قرآن میں لوگوں کو کتاب اللہ سے منحرف کرنے کے لیے پھیلا رہے تھے۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ ہمارا استدلال دو لفظوں میں یہ تھا کہ عربی لغت، عرف قرآن اور سیاق کلام اور مفسرین کی آرا کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو لھو الحدیث کا مصداق متعین طور پر غنا کو قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ ''الاعتصام'' کو اگر اس استدلال کی تغلیط کرنی تھی تو یہ لازم تھا کہ وہ برعکس طور پر اس کے دلائل فراہم کرتے کہ عربی لغت، عرف قرآن اور سیاق کلام اور مفسرین کی آرا کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو لھو الحدیث کا مصداق متعین طور پر غنا

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

کو قرار دینا سرتا سر درست ہے۔ مگر قارئین حیران رہ جائیں گے کہ انھوں نے اس موضوع پر صفحے کے صفحے سیاہ کیے ہیں اور اپنی دانست میں دلائل کے انبار بھی لگائے ہیں، مگر ہمارے استدلال کی تردید میں کوئی ایک دلیل بھی پیش کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ اس پوری بحث کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ اسے زمرۂ تنقید میں شمار کیا جائے یا زمرۂ تائید میں اور اس سے کوئی مدعا اخذ کرنا اگرچہ کم وبیش ناممکن ہے، تاہم ہمارا احساس یہ ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی کہا ہے، وہ ان دو نکات ہی پر مبنی ہے۔

۱۔ لھوالحدیث سے صحابۂ کرام نے تخصیصاً غنا مراد لیا ہے، چنانچہ اس کا مصداق غنا ہی قرار پانا چاہیے۔

۲۔ مفسرین نے لھوالحدیث کی تفسیر میں اگرچہ غنا کی تخصیص نہیں کی، مگر غنا کو اس کے مصداق سے الگ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ غنا کو اس اطلاق سے خارج کرنا درست نہیں ہے۔

''الاعتصام'' نے لکھا ہے:

''''ادھر حضرت عبداللہ بن مسعود تین بار قسم اٹھا کر کہ ''مجھے اللہ کی قسم! لہوالحدیث سے مراد غناء ہے۔'' یہی بات ابن عباس فرمائیں۔ مگر غامدی صاحب فرماتے ہیں ''غناء کی یہ تعیین درست نہیں۔'' تف ہے ایسے علم پر اور تاسف ہے ایسی عقل و دانش پر۔ (۱۸/۵۷:۱۴)... جناب من! یہ تعیین کیوں درست نہیں؟ صحابۂ کرام جن کے سامنے قرآن نازل ہوا، جس کے مطالب و مفاہیم انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے، وہی اس کے اولین مخاطب تھے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کا جو مفہوم انھوں نے سمجھا وہ تو درست نہ ہو اور جو غامدی صاحب بیان فرمائیں وہ درست اور راجح قرار پائے۔'' (۱۸/۵۷:۱۳)

''لھوالحدیث کے لغوی معنی کے اعتبار سے اگر مفسرین نے ہر غافل کر دینے والی چیز مراد لی ہے تو کیا غناء اور موسیقی میں یہی عنصر موجود نہیں؟ اور کیا کسی مفسر نے اس قول کو تفسیر سے خارج کیا ہے؟ یا موسیقی اور غناء پر محمول کرنے کی کسی نے تردید کی ہے؟ ہرگز نہیں... لھوالحدیث کے جس قدر مصداقات ہیں، موسیقی بہرنوع اس میں شامل ہے۔''

(۱۷/۵۷:۱۴،۱۵)

پہلی بات پر ہمارا تبصرہ فقط اس قدر ہے کہ لھوالحدیث کو غنا کے ساتھ خاص نہ کرنے کا کام جس پر ''الاعتصام'' نے ''تف'' اور ''تاسف'' کا اظہار فرمایا ہے، صرف ہمیں نے انجام نہیں دیا ہے۔ یہ کام کس کس نے انجام دیا ہے؟ چلیے، خود ''الاعتصام'' ہی سے معلوم کر لیتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن عباس (صحابی) نے ایک قول میں اس سے مراد باطل الحدیث (باطل بات) فرمایا ہے۔''

(الاعتصام ۱۸/۵۷:۱۲)

''امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے اس سے مراد شرک لیا ہے۔'' (الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۳)

''قتادہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) نے اس کے معنی باطل بات کے کیے ہیں۔'' (الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۳)

''حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) لھوالحدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ لھوالحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔'' (الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۷)

''امام ابن جریر فرماتے ہیں... کہ اس سے مراد ہر وہ بات ہے جو اللہ کے راستے سے غافل کر دے۔''

(الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۵)

''علامہ زمخشری فرماتے ہیں: ہر وہ باطل چیز ''لھو'' ہے جو انسان کو خیر کے کاموں اور بامقصد باتوں سے غافل کر دے۔'' (الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۵)

''علامہ آلوسی وغیرہ متاخرین مفسرین نے اس سے عام مفہوم مراد لیا ہے۔'' (الاعتصام ۱۸/۵۷: ۱۳)

''مولانا مودودی لکھتے ہیں... ایسی ہر بات جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے ہر دوسری چیز سے غافل کر دے۔''

(الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۵)

''مولانا شبیر احمد عثمانی نے فرمایا ہے کہ یہ حکم عام ہے جس میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے ہٹانے والی ہو۔'' (الاعتصام ۱۷/۵۷: ۱۶)

''... حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رقم طراز ہیں: جمہور صحابہ وتابعین اور عام مفسرین کے نزدیک لہوالحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لیے جو انسان کو اللہ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالے۔'' (الاعتصام ۱۸/۵۷: ۱۲)

دوسری بات کے حوالے سے فقط یہ سوال ہے کہ کیا ہم نے موسیقی کو مطلق طور پر لھوالحدیث کے اطلاق سے خارج قرار دیا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے، ہم نے نہایت صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

''مفسدین نے لوگوں کو قرآن سے دور کرنے اور خرافات میں مشغول کرنے کے لیے لہو ولعب کے جو ذرائع اختیار کیے ہوں گے، وہ اس زمانے کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ خطبات، کھیل تماشے، موسیقی کی محفلیں اور مشاعرے ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ ذرائع اگر لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اختیار کیے جائیں تو فی نفسہٖ مباح ہونے کے باوجود اپنے غلط استعمال کی وجہ سے شنیع قرار پائیں گے اور اہل ایمان کو ان سے گریز ہی کی تلقین کی جائے گی۔''

(اشراق مارچ ۲۰۰۴، ۶۲)

'سامدون' کے معنی

سورۂ نجم کی اختتامی آیات میں ارشاد باری ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

''قریب آنے والی قریب آ گئی ہے۔ اللہ کے سوا اس کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہو سکتا۔ تو کیا تم اس کلام پر متعجب ہوتے ہو۔ اور ہنستے ہو، روتے نہیں۔ اور تم 'سامدون' ہو۔ اللہ ہی کو سجدہ کرو اور اسی کی بندگی کرو۔'' (النجم ۵۷: ۶۲)

ان آیات کو اپنے مضمون میں نقل کر کے ہم نے بیان کیا تھا کہ بعض مفسرین ان سے بھی حرمت موسیقی کے لیے استدلال کرتے ہیں۔ یہاں لفظ 'سامدون' کا مفہوم ان کے نزدیک غنا ہے۔ اس پر نقد کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا کہ اہل لغت نے اگرچہ 'سامد' کا ایک معنی گانے والا بھی بیان کیا ہے اور بعض تفسیری اقوال کے مطابق یہاں یہی معنی مراد ہیں، مگر سیاق سے واضح ہے کہ یہاں مغنی مراد لینا درست نہیں ہے۔ چنانچہ بیش تر مفسرین نے اس سے گانے والا مراد نہیں لیا ہے۔ یہاں اس کے معنی غافل ہونے والے کے ہیں اور اس سے مراد قرآن سے غفلت اور بے اعتنائی برتنے والے اس کے مخاطبین ہیں۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر ''الاعتصام'' نے پہلے یہ سوال کیا ہے:

''جناب من! یہ ''بیش تر مفسرین'' کون ہیں؟ اور ان کے اقوال کیا ہیں؟'' (۱۹/ ۵۷: ۱۱)

جواباً عرض ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے منسوب ایک تفسیری قول کے مطابق سامد کے معنی ''تکبر سے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر گزر جانے والے'' کے ہیں (تفسیر طبری ۲۷/ ۹۷)۔ قتادہ کے نزدیک اس کے معنی ''غافل ہو جانے والے'' کے ہیں (تفسیر طبری ۲۷/ ۹۷)۔ مجاہد ''تکبر سے سر نیوڑھانے والے'' کو سامد کہتے ہیں (بحوالہ تفہیم القرآن ۵/ ۲۲۳)۔ زمخشری اس کا معنی ''مغرور اور غضب ناک ہونے والا'' کرتے ہیں (الکشاف ۴/ ۴۳۰)۔ رازی نے بھی ''غافل ہونے والا'' کیا ہے (التفسیر الکبیر ۲۹/ ۲۷)۔ امین احسن اصلاحی اس کا مفہوم ''مدہوش ہونے والا، غافل ہونے والا'' بیان کرتے ہیں (تدبر قرآن ۸/ ۸۰)۔

مفسرین کے حوالے سے اس سوال کے بعد ''الاعتصام'' نے یہ تنقید کی ہے کہ 'سامدون' کا معنی 'غافلون' یعنی غافل ہو جانے والے کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن مشرکین عرب کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، وہ غافل نہیں، بلکہ مستعد معاند تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''غامدی صاحب بڑی ہوشیاری سے فرماتے ہیں: ''یہاں اس سے مراد غافل ہو جانا اور قرآن سے بے اعتنائی برتنا ہے۔'' مگر سوال یہ ہے کہ مشرکین مکہ کی ''غفلت'' کا باعث اور سبب کیا تھا؟ کس چیز میں مبتلا ہو کر انھوں نے قرآن پاک سے بے اعتنائی اختیار کی؟ متکبر، بے اعتناء نہیں ہوتا معاند ہوتا ہے اور معاندانہ مخالفت کے نت نئے بہانے اور حیلے تراشتا ہے۔ وہ غافل نہیں ہوتا۔'' (۱۹/ ۵۷: ۱۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

اس ضمن میں ہماری گزارش فقط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سے رجوع کریں، اس کے متعدد مقامات نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کر دیں گے کہ قرآن جب اپنے مخاطبین کے حوالے سے غفلت یا اس مفہوم کا کوئی دوسرا لفظ اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد نہایت درجہ بے پروائی اور بے اعتنائی ہوتی ہے۔ جب انسان تکبر، عناد اور اس جیسی دوسری حقیر چیزوں میں مبتلا ہو کر توحید، رسالت اور آخرت جیسی بینات سے بے پروا ہو جائے تو اس سے بڑھ کر غفلت اور کیا ہو گی۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں 'اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ' (وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھو گئے ہیں)، سورۂ یونس کی آیت ۷ میں 'وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ' (اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں) اور سورۂ انبیا کی آیت ۱ میں 'اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ' (قریب آ گیا ہے لوگوں کے حساب کا وقت اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں) کے الفاظ اسی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔ اسی طرح دیکھیے، سورۂ نحل میں مشرکین قریش کے حوالے سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. (۱۶: ۱۰۷-۱۰۹)	''یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی اور اللہ کفر اختیار کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں اور جن کے سمع و بصر پر اللہ نے مہر کر دی اور یہی لوگ ہیں جو آخرت سے غافل ہیں۔''

مولانا امین احسن اصلاحی اس مقام کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''فرمایا کہ ایسے لوگ جو ایمان کی روشنی ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد، محض اپنے دنیوی مفادات کی خاطر اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں، ان کے کانوں اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دیا کرتا ہے اور وہ ہدایت کی توفیق سے بالکل ہی محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ نہ خود اصل حقیقت پر غور کرتے، نہ کسی دوسرے معقول آدمی کی بات سنتے اور نہ بصیرت حاصل کرنے کے لیے اپنی آنکھیں کھولتے۔ یہ ہدایت و ضلالت کے باب میں اس سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت بقرہ کی آیت ۷ کے تحت ہو چکی ہے 'و اولئك هم الغفلون' یعنی اصل بے خبر یہی لوگ ہیں اس لیے کہ ان کے دل اور ان کے کان آنکھ سب چپاٹ ہو چکے ہیں۔ کسی طرف سے بھی کوئی بصیرت کی کرن ان کے اندر داخل ہونے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی۔'' (تدبر قرآن ۴/ ۴۵۴)

صوت شیطان سے مراد

اس عنوان کے تحت ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۶۱ تا ۶۵ نقل کر کے یہ بیان کیا تھا کہ ان آیات میں 'وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ' (اور ان (انسانوں) میں سے جن پر (اے شیطان) تیرا بس چلے، ان کو اپنی 'صوت' سے گھبرا لے) کے جو الفاظ آئے ہیں، ان میں 'صوت' کا مصداق بعض فقہا اور مفسرین نے تفسیری اقوال کی روشنی میں 'غناء' قرار دیا ہے۔ ہمارے نزدیک صوت شیطان یعنی شیطان کی آواز کو غنا سے محدود کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید نے یہ لفظ استعمال کر کے ان تمام ہتھکنڈوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو شیطان صوت رحمان کے مقابل میں پیش کرتا اور ان کے ذریعے سے اللہ کے بندوں کو گمراہی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس پہلو سے دیکھیے تو ہر وہ چیز صوت شیطان ہے جو انسان کو اس کے پروردگار سے سرکشی یا دوری کا درس دیتی ہے۔ یہ درس اگر کوئی تقریر، کوئی تعلیم، کوئی شاعری اور کوئی موسیقی دیتی ہے تو وہ بلاشبہ صوت شیطان ہے اور اسلام اسے کسی حال میں گوارا نہیں کر سکتا۔ مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں شیطان کا وہ پیغام شنیع قرار پائے گا نہ کہ تقریر، تدریس، شاعری اور موسیقی جیسی اصناف ہی اصلاً لغو ٹھہریں گی۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر تنقید کرتے ہوئے ''الاعتصام'' نے لکھا ہے:

> ''مگر غامدی صاحب فرماتے ہیں: ''ہمارے نزدیک صوت شیطان یعنی شیطان کی آواز کو غناء سے محدود کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔'' (اشراق ص: ۶۸) ہم کب کہتے ہیں کہ شیطان کی آواز سے صرف غناء اور موسیقی مراد ہے۔ بلکہ اس بات کا اظہار ہے کہ موسیقی صوت شیطان ہے جیسا کہ ابن عباس اور مجاہد نے فرمایا ہے۔ لہٰذا موسیقی کو صوت شیطان سے خارج سمجھنا شیطان کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ''موسیقی اصلاً لغو نہیں، وہ موسیقی صوت شیطان ہے جو پروردگار سے سرکشی کا سبب بنتی ہے۔'' (اشراق ص: ۶۸) بڑا پر فریب دعویٰ ہے۔ پہلے دلائل سے گزر چکا ہے کہ لہو الحدیث سے مراد موسیقی ہے۔ لہٰذا وہ بہر حال لغو ہے اگر یہ صوت الشیطان نہیں تو کیا معاذ اللہ یہ صوت الرحمٰن ہے؟ موسیقی، ایک باقاعدہ فن ہے۔ یعنی گانے بجانے کا علم، راگ کا علم اور موسیقار، گانے والے اور گویے کو کہتے ہیں جسے عربی میں مغنی یا مغنیہ کہا جاتا ہے۔ سادہ طریقہ پر حسن صوت سے اچھے اور با مقصد شعر پڑھنا اصطلاحاً غناء اور موسیقی نہیں۔'' (۱۹/۵۷: ۱۳)

اس تنقیدی نوٹ کے مطالعے سے قارئین پر یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ تنقید نہیں، بلکہ سرتا سر تائید ہے، کیونکہ اس میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ صوت شیطان کا مصداق تخصیصاً غنا کو قرار دینا درست نہیں ہے۔ تاہم جہاں تک ان کے اس نادر روزگار فرمان کا تعلق ہے کہ موسیقی ایک باقاعدہ فن ہے اور سادہ طریقے پر حسن صوت سے

www.javedahmadghamidi.com

اچھے اور با مقصد شعر پڑھنا اصطلاحاً غنا اور موسیقی نہیں، تو اس ضمن میں ہماری گزارش فقط اتنی ہے کہ وہ اس سادہ حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ فنون لطیفہ کا ہر فن اپنے اصول و قواعد سے ہمیشہ مقدم ہوتا ہے۔ شاعری پہلے وجود میں آئی ہے اور فن عروض بعد میں پیدا ہوا ہے اور کوئی شخص فن عروض پڑھ کر شاعر نہیں بنتا، بلکہ وہ قدرتی طور پر الفاظ کو ایسے ترتیب دیتا ہے کہ جملہ خاص وزن پر موزوں ہوتا اور اس میں آہنگ اور نغمگی پیدا ہو جاتی ہے اور اکثر اوقات اسے یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ اس کا فلاں شعر بحر متقارب میں ہے، بحر رمل میں ہے یا بحر ہزج میں۔ اسی طرح غنا اور اس کے اجزا مثلاً لے، تال وغیرہ مقدم ہیں اور اس کی راگوں اور سروں کے مختلف عنوانات کے تحت قسم بندی بعد کا کام ہے۔ گویا اپنی اصل کے لحاظ سے غنا بھی کوئی اکتساب کی چیز نہیں ہے۔ کوئی شخص اگر قدرتی طور پر غنا کی صلاحیت سے محروم ہے تو وہ برسوں کی مشق اور ماہرین فن سے کسب فیض کے باوجود اس سے اجنبی رہے گا، اور جسے یہ صلاحیت خداداد طریقے پر ملی ہے تو وہ غنا کا مظاہرہ تو ابتداءً ہی کر لے گا، مگر مشق اور ریاضت سے اسے پختگی حاصل ہو جائے گی۔ ''الاعتصام'' کے لیے یہ بات شاید تعجب انگیز ہو کہ دنیا کے مختلف خطوں میں بے شمار ایسے فن کار ہیں جو گلوکار کی حیثیت سے متعارف ہونے کے بعد فنی باریکیوں سے روشناس ہوئے۔ اور ایسے بھی ہیں جو فنی اکتساب کے بغیر ہی تمام زندگی خوش نوائی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ ہمارے ہاں نعت خوانی غنا کی ایک معروف قسم ہے۔ اکثر نعت خوان پوری طرح سر میں گاتے ہیں، مگر انھوں نے سر اور راگ کی کوئی تربیت حاصل نہیں کی ہوتی۔ ان کی گائیکی محض اس بنا پر زمرۂ غنا یا موسیقی سے خارج نہیں ہو جائے گی کہ وہ اس فن کو باقاعدہ طور پر سیکھے ہوئے نہیں ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

'لا یشھدون الزور' کی تفسیر

سورۂ فرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا. (۲۵:۷۲)

''اور جو لوگ کسی باطل میں شریک نہیں ہوتے اور اگر کسی بے ہودہ چیز پر سے ان کا گزر ہوتا ہے تو وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔''

بعض تفسیری اقوال کے مطابق اس آیت کے لفظ 'الزور' سے مراد غنا ہے اور اس بنا پر اس سے موسیقی کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ہم نے اپنے مضمون میں یہ بیان کیا تھا کہ ہمارے نزدیک اس آیت میں 'زور' اپنے لغوی معنی یعنی جھوٹ اور باطل ہی کے مفہوم میں آیا ہے، اسے غنا، شرک یا کسی دوسرے مفہوم کا حامل قرار دینا ہرگز موزوں نہیں ہے۔ اس آیت کو اس کے سیاق و سباق کے لحاظ سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر اللہ تعالیٰ

نے اپنے فرماں بردار بندوں کی صفات کے ذیل میں جہاں فروتنی، عبادت گزاری، عمل صالح اور توبہ وانابت کے اوصاف بیان کیے ہیں، وہاں یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ وہ کسی جھوٹ اور باطل میں شریک نہیں ہوتے اور لغویات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر ''الاعتصام'' نے حسب ذیل تنقید کی ہے:

''علمائے کرام نے فی الجملہ اس آیت سے بھی موسیقی کی حرمت پر استدلال کیا ہے... ''زور'' سے ''غناء ہی'' مراد نہیں بلکہ غناء بھی زور کے مفہوم میں شامل ہے، اور سیاق وسباق بھی یہ معنی متعین کرنے میں مانع نہیں۔ امام ابوحنیفہ، حضرت محمد بن حنفیہ اور امام مجاہد کا اس سے مراد غناء لینا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ زور میں غناء بہر حال شامل ہے... اس آیت میں ''زور'' سے غناء اور موسیقی مراد لینا قرآنی تعلیمات کے بالکل مطابق ہے اور امام مجاہد اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ وغیرہ نے جو سمجھا، وہ بالکل درست ہے، اور یہ آیت بھی موسیقی کی شناعت (سنگینی) اور حرمت کی دلیل ہے۔'' (۱۹/۵۷: ۱۳، ۱۴)

اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ ''الاعتصام'' نے یہ کہہ کر کہ ''زور'' سے ''غناء ہی'' مراد نہیں'' از خود امام ابوحنیفہ، امام مجاہد اور حضرت محمد بن حنفیہ کے اقوال کی تردید کر دی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تینوں حضرات سے ''غناء بھی'' کا نہیں، بلکہ ''غناء ہی'' کا مفہوم مروی ہے۔ تاہم جہاں تک ''غناء بھی'' کا تعلق ہے تو ہم نے یہ کہاں بیان کیا ہے کہ غنا کا کوئی مظہر کسی طور بھی باطل میں شامل نہیں ہو سکتا؟ اس کے برعکس ہم نے جا بجا یہ بیان کیا ہے کہ وہ غنا جو کسی باطل کو ترویج دیتا ہے، وہ ہر حال میں شنیع ہے۔ اس بحث میں ہماری بنیادی بات صرف اور صرف یہ ہے کہ ''زور'' کا مصداق علی الاطلاق غنا کو قرار دینا اور اس کی بنا پر اس کی مطلق حرمت کا حکم صادر کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، کیونکہ آیت میں ''زور''، یعنی کذب و باطل سے مجتنب رہنے کا مفہوم تو بے شک، واضح ہے، مگر اس کے کسی مصداق کی تعیین نہیں کی گئی۔ چنانچہ اگر سیاق کلام، عرف قرآن اور زبان کے نظائر میں اس کے مصداق کی تعیین کے لیے کوئی قرینہ نہیں ہے تو اسے متعین کرنے کی کوشش درحقیقت قرآن کے مدعا سے تجاوز اور اس کے منہ میں اپنی بات ڈالنے کے مترادف ہے، لہٰذا ایسی کسی تفسیر کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ طبری، زمخشری، رازی، آلوسی اور امین احسن اصلاحی رحمہم اللہ جیسے ائمۂ تفسیر نے اس کا کوئی مصداق طے کیے بغیر اسے عمومی معنی ہی میں بیان کیا ہے۔

قرآن سے حرمت موسیقی کے استدلال کو زیر بحث لانے کے بعد ہم نے ''حرمت موسیقی کے لیے روایات سے استدلال'' کے زیر عنوان وہ نمائندہ روایتیں نقل کی تھیں جن کی بنا پر موسیقی کی علی الاطلاق حرمت پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ان روایتوں کے بارے میں ہم نے بیان کیا تھا کہ ان میں صحیح، حسن اور ضعیف، تینوں طرح کی روایات موجود

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

ہیں۔ان میں سے بیش تر روایات کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، تاہم ان کے مضامین سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان میں مذکور موسیقی اور آلات موسیقی کی ممانعت کا سبب ان کی بعض صورتوں کا شراب، فواحش اور بعض دوسرے رذائل اخلاق سے وابستہ ہونا ہے۔ چنانچہ ان کی بنا پر موسیقی کی علی الاطلاق حرمت کا حکم ہرگز صادر نہیں کیا جا سکتا۔

''الاعتصام'' نے ''احادیث اور حرمت موسیقی'' کے زیرعنوان ہمارے مضمون کے اس حصے کو بھی موضوع تنقید بنایا ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کا خلاصہ اس بحث کے آغاز میں انھوں نے مولانا مفتی محمد شفیع کی کتاب ''احکام القرآن'' کے حوالے سے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''مجموعی طور پر یہ احادیث ساز اور گانے بجانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں، میں کسی مسلمان کے بارے میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ وہ ہمارے ان دلائل کو سننے کے بعد ان کی حرمت میں شک کرے گا۔ ان احادیث کا ظاہری اطلاق اس کی حرمت اور کراہت کا متقاضی ہے۔'' (۲۰/۵۷:۱۲)

''احادیث اور حرمت موسیقی'' کی بحث پر ''الاعتصام'' کی تنقیدات اور ان پر ہمارا تبصرہ حسب ذیل ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سازوں کی حرمت

''صحیح اور حسن روایات'' کے زیرعنوان اولاً ہم نے بخاری کی روایت رقم ۵۲۶۸ نقل کی تھی۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو شرم گاہ (زنا)، ریشم، شراب اور معازف (سازوں) کو حلال کر لیں گے۔

اس روایت کے بارے میں ہم نے یہ نقطۂ نظر پیش کیا تھا کہ اس سے آلات موسیقی کی حرمت کا حکم اخذ کرنا درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہم نے جو استدلال کیا تھا، اس کا خلاصہ حسب ذیل نکات پر مبنی ہے:

اولاً، اس روایت میں جن چار چیزوں کا ذکر ہوا ہے، ان میں زنا اور شراب کی حرمت تو قرآن و حدیث سے پوری طرح واضح ہے، مگر ریشم کے بارے میں قرآن نے نہ صرف یہ کہ حرمت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ مثبت طور پر اسے جنت کی ایک نعمت کے طور پر بیان کیا ہے۔ جہاں تک روایتوں کا تعلق ہے تو اس ضمن میں حلت و حرمت، دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کو بالکلیہ حرام قرار نہیں دیا۔ آپ نے اس کے مکمل لباس کو عورتوں کے لیے جائز قرار دیا ہے اور مردوں کے لیے ناجائز۔ مردوں کو البتہ، اس کا کچھ حصہ استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ مردوں کے لیے اس کی ممانعت کے جو اسباب روایتوں سے معلوم ہوتے ہیں،

وہ یہ ہیں کہ اس کے استعمال سے عورتوں سے مشابہت کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اور اسراف اور تکبر کا اظہار ہوسکتا ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن اور حدیث نے ریشم پہننے کو علی الاطلاق حرام قرار نہیں دیا۔ یہ بات اگر درست ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس روایت میں مذکور چاروں چیزوں کے بارے میں یکساں طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دین میں علی الاطلاق حرام ہیں۔

ثانیاً، موسیقی اور آلات موسیقی کے جواز کی روایتوں کے ہوتے ہوئے بخاری کی مذکورہ روایت کی بنا پر سازوں کو علی الاطلاق حرام قرار دینا، ظاہر ہے کہ کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

ثالثاً، اس روایت کے دیگر طرق اور اس موضوع کی دوسری روایتوں کے مطالعے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بات موسیقی کے اس استعمال کے بارے میں کہی گئی ہے جو فواحش کی ترویج کا باعث بنتا ہے۔ عرب میں ناچ گانا اور شراب لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے تھے اور آلات موسیقی زیادہ تر عریانی اور فحاشی کی محفلوں ہی کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ گئے تھے۔ عرب میں ایسی مجالس عام تھیں جن میں امرا اظہار تکبر کے لیے ریشمی لباس پہن کر شریک ہوتے، سازوں کے ساتھ ناچ گانے کا اہتمام کیا جاتا، خوب شراب نوشی کی جاتی اور ان کا اختتام فواحش پر ہوتا تھا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی بھی مباح چیز ان مجالس کے ساتھ مخصوص ہو کر دائرۂ حرمت میں داخل ہوسکتی ہے۔ چنانچہ مذکورہ روایت سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ اگر شاعری کی کوئی قسم، کوئی لباس، کوئی برتن، کوئی مقام یا کوئی تہوار ایسی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے وابستہ ہو جاتا ہے تو وقتی طور پر اس کی ممانعت کا حکم لگانا شریعت کے منشا کے عین مطابق ہے۔

یہ بخاری کی اس روایت کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر اور اس کے استدلال کا خلاصہ ہے۔ ہمارے اس نقطۂ نظر پر تنقید کرتے ہوئے ''الاعتصام'' نے پہلے مذکورہ روایت کی سند پر بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''غامدی صاحب کی یہاں ہوشیاری دیکھیے کہ اشراق ص: ۳۷ پر پہلے عنوان قائم کیا ہے ''صحیح اور حسن روایات'' اس کے تحت سب سے پہلے بخاری کی یہی روایت ذکر کی ہے مگر حاشیے میں لکھتے ہیں: ''بخاری کی مذکورہ روایت پر اس کی صحت کے حوالے سے بھی بعض اعتراضات ہیں، ابن حزم... اپنی کتاب المحلی میں لکھتے ہیں: ھذا منقطع ولم یتصل ما بین البخاری و صدقۃ بن خالد۔'' غور کیجیے ایک طرف اس روایت کو صحیح اور حسن روایات میں سرفہرست ذکر کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی اس کے بارے میں حافظ ابن حزم کے حوالے سے تشکیک کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ کہ حافظ ابن حزم نے اس پر انقطاع کا حکم لگاتے ہوئے خود جس غلطی کا ارتکاب کیا، غامدی صاحب نے اس مکھی پر مکھی ماری... غامدی صاحب نے اپنی ہوشیاری میں حافظ ابن حزم کی طرف سے

اعتراض کیا جس کے جواب سے علمائے امت بحمد اللہ فارغ ہو چکے ہیں۔(۱۲:۵۷/۲۰)

ہماری اس ''ہوشیاری'' پر الاعتصام نے جس ''دیانت'' کا مظاہرہ کیا ہے، اس پر ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ اگر علم و معرفت اسی کا نام ہے تو خدا دشمن کو بھی اس سے محفوظ رکھے۔ قارئین کی تشفی کے لیے ہم وہ بات یہاں من وعن نقل کر دیتے ہیں جس کا مضمون ''الاعتصام'' نے سورنگ سے باندھا ہے:

''بخاری کی مذکورہ روایت پر اس کی صحت کے حوالے سے بھی بعض اعتراضات ہیں۔ ابن حزم لکھتے ہیں: یہ حدیث منقطع ہے اور بخاری اور صدقہ بن خالد کے مابین اتصال نہیں ہے۔ اس کے برعکس بعض علما مثلاً ابن حجر عسقلانی اور ابن قیم جوزی ابن حزم کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح متصل ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے بھی اسے 'صحیح' قرار دیا ہے۔'' (اشراق مارچ ۲۰۰۴، ۴۳)

گویا ہم نے اس پر اگر ایک عالم کی تنقید نقل کی ہے تو تین علما کی تائید بھی پیش کی ہے اور اسے صحیح روایات کے زمرے میں درج کر کے اس کے بارے میں اپنا موقف بھی واضح کر دیا ہے۔

''الاعتصام'' کے علما و عارفین کے لیے اگر گراں باری خاطر نہ ہو تو ہم یہ عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ یہ دعویٰ کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ اہل علم ابن حزم کے اعتراض کا جواب دے کر فارغ ہو چکے ہیں۔ اس کے بارے میں علما کے مابین آج بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ دور حاضر میں عالم اسلام کے معروف عالم دین علامہ یوسف القرضاوی کی چند سطور پیش خدمت ہیں:

''یہ حدیث گرچہ صحیح بخاری میں وارد ہوئی ہے لیکن یہ متصل روایتوں میں سے نہیں بلکہ منقطع روایتوں میں سے ایک ہے۔ اسی وجہ سے ابن حزم نے اس روایت کو یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا ہے کہ اس روایت کی سند اور متن دونوں خلل (اضطراب) سے محفوظ نہیں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو متصل ثابت کرنے کی انتھک کوشش کی ہے اور عملاً نو سندوں سے ثابت بھی کیا ہے لیکن ان تمام سندوں میں ایک راوی ایسے ہیں جن کے بارے میں ائمۂ جرح و تعدیل نے کلام کیا ہے اور وہ ہشام بن عمار ہیں۔ ان پر جرح کرنے والے ائمہ میں امام ابوداؤد، امام احمد، امام نسائی، ابن سیار اور حافظ ذہبی شامل ہیں۔ اس لیے اس طرح کے اختلافی امور میں ان کی حدیث قبول نہیں کی جا سکتی بالخصوص ان معاملات میں جو بہت عام ہوں۔'' (زندگی نو، انڈیا، نومبر ۲۰۰۵، ۳۲)

روایت کی سند پر بحث کے بعد ''الاعتصام'' نے ہمارے استدلال پر ایک طویل بحث کی ہے۔ اس بحث میں انھوں نے نہایت اصرار کے ساتھ حدیث کی کتابوں سے وہ روایتیں نقل کی ہیں جن میں ریشم کی ممانعت مذکور ہے، مگر اس ضمن میں ہمارے استدلال سے کچھ خاص اعتنا نہیں برتا۔ ہم نے بیان کیا تھا کہ حدیث کی انھی کتابوں میں متوازی

طور پر ریشم کی حلت کی روایتیں بھی درج ہیں، لہٰذا ان میں سے ایک نوعیت کے حکم کو عام مان کر دوسری نوعیت کے حکم کی تخصیص ضروری ہے۔ اور بعض روایتوں میں چونکہ حرمت کے ضمن میں اسراف اور عورتوں سے مشابہت کی علتیں بھی بیان ہو گئی ہیں، اس لیے اس کی حرمت یا شناعت کا حکم انھی صورتوں پر لاگو ہوگا جن میں یہ موجود ہوں گی اور عمومی حکم جواز ہی کا قرار پائے گا۔

گھنٹی سے فرشتوں کی کراہت

اس عنوان کے تحت ہم نے ابوداؤد کی تین روایات رقم ۲۵۵۵، ۲۵۵۶، ۴۲۳۱ نقل کی تھیں۔ ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمان بیان ہوئے ہیں کہ ''الجرس مزامیر الشیطان یعنی گھنٹی شیطان کا ساز ہے''، ''فرشتے اس جماعت کے ہم راہ نہیں ہوتے جس میں گھنٹی ہو یا کتا ہو'' اور ''جس گھر میں گھنٹی ہو، وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔'' ان روایتوں کے بارے میں ہم نے اپنا نقطۂ نظر یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے حرمت موسیقی پر استدلال درست نہیں ہے۔ اس ضمن میں ہمارا استدلال حسب ذیل نکات پر مبنی تھا:

اولاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں 'جرس' (گھنٹی) کو آلات موسیقی میں شمار ہی نہیں کیا جاتا تھا، اس لیے اس کی شناعت کی بنا پر آلات موسیقی کو شنیع قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ثانیاً، یہ درحقیقت اس گھنٹی کا بیان ہے جو اونٹوں یا دوسرے جانوروں کے گلے میں لٹکائی جاتی تھی۔ جانوروں کی گردنوں میں گھنٹی باندھنے کا مقصد انھیں آراستہ کرنا بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راعی یا ساربان اپنے جانوروں سے باخبر رہیں اور اگر وہ کہیں کھو جائیں تو اس کی آواز کے ذریعے سے انھیں ڈھونڈنے میں مدد مل سکے، مگر یہ بہرحال نہیں ہو سکتا کہ اس سے موسیقی کا حظ اٹھایا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل آلات موسیقی بھی اسی صورت میں موثر ہوتے ہیں جب انھیں خاص ترتیب سے بجایا جائے۔ یہ ترتیب ہی انھیں زمرۂ موسیقی میں داخل کرتی ہے۔ چنانچہ یہ بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ مذکورہ روایت میں 'جرس' کا ذکر آلۂ موسیقی کے طور پر نہیں آیا ہے، اس لیے اس کی بنا پر آلات موسیقی کے بارے میں کوئی حکم اخذ کرنا ہرگز درست نہیں ہے۔

ثالثاً، ان روایتوں میں فرشتوں کے حوالے سے صرف گھنٹی ہی کی کراہت مذکور نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ کتے کی کراہت کا ذکر بھی ہے۔ اس کے برعکس متعدد روایات میں نہ صرف کتا رکھنے، بلکہ اس کا پکڑا ہوا شکار کھانے کی اجازت بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ روایت سے حرمت کا مفہوم اخذ کرنے سے ظاہر ہے کہ روایتوں کے باہمی

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

تناقض کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

اپنے استدلال کی صراحت کے بعد ہم نے ان روایتوں کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا تھا کہ گھنٹی کی شناعت درحقیقت ان قافلوں کے حوالے سے ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں مختلف مقاصد کے تحت سفروں پر نکلتے تھے۔ اس زمانے میں مسلمان پورے عرب سے برسر جنگ تھے۔ ان کے اطراف میں مشرکین، یہود اور منافقین پھیلے ہوئے تھے۔ وہ ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح زک پہنچائی جائے۔ جنگی قافلے کے لیے یہ صورت حال اور بھی نازک ہوتی تھی۔ اس تناظر میں غالب امکان یہ ہے کہ رات کے اوقات میں جنگی کارروائیوں کو خفیہ رکھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزوں سے منع فرمایا ہوگا جو دشمن کو متوجہ کرنے کا باعث بن سکیں۔ کتوں کا شوروغل اور جانوروں کی گھنٹیوں کی آوازیں دشمن کو باخبر کرنے کی صورت پیدا کرسکتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے کتوں کو ہم راہ نہ رکھنے اور گھنٹیوں کو اتارنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس رجحان کی تائید میں ہم نے صاحب ''لسان العرب''، امام سرخسی اور علامہ وحید الزماں کے حوالے بھی نقل کیے تھے۔

جہاں تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ ''جس گھر میں گھنٹی ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے'' تو اس کے بارے میں ہم نے یہ رجحان ظاہر کیا تھا کہ اسے عربوں کے مشرکانہ مراسم میں گھنٹی کے استعمال کے حوالے سے دیکھا جاسکتا اور انھی باتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے جو شرک کی شناعت کے حوالے سے آپ نے ارشاد فرمائیں۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر ''الاعتصام'' نے ایک طویل و عریض تنقید لکھی ہے۔ بلاشبہ، یہ اس لائق ہے کہ اسے زبان و ادب کے نصابات میں شامل کیا جائے تاکہ طلبا نقد و نظر کی اس صنف جدید سے آگاہ ہو سکیں جس میں موضوع پر بات کیے بغیر تنقید کی جاتی ہے۔ ہزاروں الفاظ صفحۂ قرطاس پر رقم کیے گئے، مگر ان میں دو لفظ بھی ایسے نہیں ہیں جن میں ہمارے استدلال پر نقد کیا گیا ہو۔ ہماری بات فقط اس قدر تھی کہ عربی لغت اور عرب ثقافت کی معلومات اگر سامنے ہوں تو گھنٹی کو من جملۂ آلات موسیقی تصور کرنا درست نہیں ہے۔ مذکورہ احادیث میں بھی اس کا ذکر آلۂ موسیقی کے طور پر نہیں، بلکہ جانوروں کے گلے میں لٹکائی جانے والی شے کے طور پر ہوا ہے۔ لہٰذا ان روایتوں سے گھنٹی سے متعلق کوئی حکم تو بے شک، اخذ کیا جاسکتا ہے، لیکن موسیقی یا آلات موسیقی کی حرمت کا حکم ہرگز اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ ''الاعتصام'' نے ہمارے اس استدلال پر تو کوئی گفتگو نہیں کی، البتہ ہماری اس تاویل کو ہدف تنقید بنایا ہے جو گھنٹی کی ممانعت کا سبب بیان کرتے ہوئے ہم نے پیش کی تھی اور دل چسپ بات یہ ہے کہ اس تاویل کو ہم نے یقینی رائے کے طور پر نہیں، بلکہ امکانی رائے کے طور پر بیان کیا تھا۔ ہم نے لکھا تھا: ''غالب امکان یہ ہے کہ رات کے اوقات میں جنگی کارروائیوں کو

خفیہ رکھنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزوں سے منع فرمایا ہوگا جو دشمن کو متوجہ کرنے کا باعث بن سکیں۔ کتوں کا شور وغل اور جانوروں کی گھنٹیوں کی آوازیں دشمن کو باخبر کرنے کی صورت پیدا کر سکتی ہیں۔''

چلیے، ہم اپنی اس رائے پر اصرار نہیں کرتے اور کچھ دیر کے لیے ''الاعتصام'' ہی کی یہ تاویل مان لیتے ہیں کہ گھنٹی اور کتوں سے اس لیے منع کیا گیا کہ وحی لانے والے فرشتے ان سے کراہت محسوس کرتے تھے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس بات کو تسلیم کرنے سے ہمارے استدلال پر کیا زد پڑی ہے؟ کیا اس کے نتیجے میں گھنٹی آلات موسیقی کے زمرے میں شامل ہوگئی ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ان روایتوں کو حرمت موسیقی کی بنا ہر گز نہیں بنایا جا سکتا۔

اپنے مضمون کے حاشیے میں ہم نے یہ وضاحت کی تھی کہ 'الجرس مزامیر الشیطان' (گھنٹی شیطان کا ساز ہے) کے الفاظ میں لفظ مزامیر کی بنیاد پر 'جرس' کو من جملۂ مزامیر (ساز) تصور کرنا درست نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مزامیر کا لفظ اپنے لغوی مفہوم میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ تشبیہ واستعارے کے طور پر استعمال ہوا ہے اور یہ زبان کا عام اسلوب ہے کہ کسی چیز کے اوصاف کو نہایت درجہ بیان کرنے کے لیے تمثیل وتشبیہ اور مبالغے کے اسالیب اختیار کیے جاتے ہیں۔

ہماری اس بات پر ''الاعتصام'' کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے:

''دین کے احکام ومسائل بیان کرتے ہوئے مبالغہ اور افراط وتفریط کا احتمال دیگر انسانوں میں تو ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس قسم کا تصور مقام نبوت سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلم بند کیا کرتے تھے، بعض نے کہا کہ رسول اللہ بالآخر انسان ہیں، آپ خوشی اور ناراضی میں بھی بات کرتے ہیں، اس لیے ہر بات نہ لکھا کرو، انھوں نے اس بات کا اظہار رسول اللہ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''لکھا کرو، مجھے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرے منہ سے صرف حق نکلتا ہے۔'' اس لیے رسول اللہ کے بارے میں یہ تصور کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دینی مسائل واحکام بیان کرنے میں عامۃ الناس کی طرح مبالغہ آرائی کرتے اور افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے تھے، مقام نبوت سے ناآشنائی ہی کا نتیجہ ہے اور ایسی جسارت غامدی صاحب اور ان جیسے ''دانش ور'' تو کر سکتے ہیں۔ ایک سچے امتی سے اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔'' (الاعتصام ۲۲/۷/۵۷:۱۶)

ہم اس پر کیا گزارش کریں۔ حسن ظن کو ملحوظ رکھیں تو ''الاعتصام'' کے اس تبصرے کو ان کے اس تقاضے ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ:

بہرا ہوں میں تو چاہیے دونا ہو التفات
سنتا نہیں ہوں بات، مکرر کہے بغیر

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

چنانچہ تفہیم مکرر کے لیے فقط یہ عرض کریں گے کہ تشبیہ، استعارے اور مبالغے کے اسالیب اس لیے نہیں اختیار کیے جاتے کہ افراط وتفریط کا اظہار کیا جائے، غیر حقیقی طور پر مبالغہ آرائی کی جائے یا جھوٹی اور خلاف حقیقت بات بیان کی جائے۔ یہ متکلم کے انداز بیان کی مختلف صورتیں ہیں جنھیں وہ کبھی حسن تکلم کی خاطر، کبھی مدح وذم کی غرض سے، کبھی زور بیان کی ضرورت کے تحت اور کبھی شدت تاثر کے اظہار کے لیے اختیار کرتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب اسے حقائق کو نہایت درجہ بیان کرنا مقصود ہو تو وہ انھی اسالیب کا سہارا لیتا ہے۔ سیدنا حمزہ، سیدنا علی یا سیدنا خالد بن ولید کی میدان جنگ میں آمد کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ: کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے ـــــ تو اسے سن کر سادہ سے سادہ آدمی بھی 'شیر' اور 'کانپ' کے وہ معنی نہیں لے گا جو لغت میں ان الفاظ کے تحت لکھے ہوئے ہیں۔ درج بالا تنقیدی نوٹ میں ''الاعتصام'' نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔'' انھیں پڑھ کر اگر کوئی شخص یہ نتیجہ اخذ کرے کہ انسانوں کی طرح خدا کے بھی اعضا وجوارح ہیں (معاذ اللہ) اور جان بھی کوئی مجسم شے ہے تو اس کی عقل کا ماتم کیا جائے گا۔

اہل الاعتصام کی درج بالا نکتہ آفرینی کو زبان ناشناسی یا سادہ لوحی پر محمول کر کے صرف نظر کیا جا سکتا ہے، مگر اس کا کیا کیجیے کہ اسی مضمون کے ایک مقام پر خود انھوں نے ہمیں یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ الفاظ اپنے ظاہری مفہوم سے اٹھ کر تشبیہ ومشابہت کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اس بات کو سمجھانے کے لیے انھوں نے یہی مزامیر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''بعض حضرات کو ایک روایت کے ظاہری الفاظ سے بھی دھوکا لگا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت سن کر فرمایا: ''لقد او تیت مزمارا من مزامیر آل داؤد'' کہ اے ابوموسیٰ ''تجھے تو قوم داؤد کے سازوں میں سے ایک ساز دیا گیا ہے''۔ روایت میں ''مزمار'' کا لفظ آیا ہے جس سے ظاہر بینوں اور موسیقی پرستوں کو دھوکا لگا، اسی بنا پر اس کا یہاں معنی ''ساز'' کیا گیا... بلاشبہ ''مزمار'' کے معنی ساز کے ہیں۔ لیکن اس سے یہاں مراد حسن صوت ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:... مزمار آلہ ہے، اس کا آواز پر اطلاق اس کی خوب صورتی کی مشابہت کی بنا پر ہے۔'' (الاعتصام ۱۱/۵۷: ۲۲)

طبل کی حرمت

اس عنوان کے تحت ہم نے ابوداؤد کی روایت رقم ۳۶۹۶ نقل کی تھی جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر شراب، جوئے اور کوبہ کو حرام ٹھیرایا ہے اور

www.javedahmadghamidi.com / www.ghamidi.net

ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ اس روایت کے لفظ 'کوبۃ' کا معنی بالعموم طبل یا بربط بیان کیا گیا ہے اور اس بنا پر اس سے آلۂ موسیقی طبل کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے۔

اس روایت کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر ان دو نکات پر مبنی تھا:

اولاً، لغت میں کوبہ کے معنی طبل یا بربط کے علاوہ 'نرد' بھی نقل ہوئے ہیں اور یہ ایک کھیل ہے جو اس زمانے میں جوا کھیلنے کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں کوبہ کے معنی نرد کیے جائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت میں یہ لفظ ''میسر'' کے ساتھ آیا ہے جس کے معنی جوئے کے ہیں اور بعض روایتوں میں نرد کو جوئے کی ایک شکل کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ابوداؤد، رقم ۴۹۳۸ میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نرد سے کھیلا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ بیہقی، رقم ۲۰۷۴۵ میں نقل ہوا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر یہ اعلان کیا کہ لوگو، جوئے سے بچو۔ اس سے ان کی مراد 'نرد' تھی۔ بیہقی، رقم ۲۰۷۴۶ میں مذکور ہے کہ عبداللہ بن عمر نرد کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ جوا ہے۔ ابن ابی شیبہ، رقم ۲۶۱۵۰ میں سیدنا علی کا یہ قول روایت ہوا ہے کہ نرد یا شطرنج جوئے میں سے ہے۔

ثانیاً، کوبہ کے معنی نرد لینا اگرچہ زیادہ قرین قیاس ہے، لیکن اس امکان کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ یہاں کوبہ سے مراد طبل ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شراب اور جوئے کی انھی مجالس میں کیف و سرور کو بڑھانے کے لیے مغنیات اور ان کے ساتھ دف، طبل اور دیگر آلات موسیقی بھی فراہم رہتے تھے۔ تاہم اس امکان کو ماننے کے باوجود ہمارے اصل استدلال میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، کیونکہ اگر دف کا جواز موجود ہے جو طبل ہی کی طرح بجانے کا آلۂ موسیقی ہے تو طبل کو علی الاطلاق حرام قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ یہ عین ممکن ہے کہ اس کے جوئے اور شراب کی مجالس کے ساتھ معروف ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کا حکم ارشاد فرمایا ہو۔

درج بالا نکات سے واضح ہے کہ اس روایت کے بارے میں ہمارا بنیادی استدلال لفظ 'الکوبۃ' کے معنی پر مبنی ہے۔ ''الاعتصام'' نے بھی اپنی بحث اسی لفظ کے حوالے سے کی ہے، مگر دل چسپ بات یہ ہے کہ اس تمام بحث کو بار بار پڑھنے کے باوجود اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہمارے ہی بیان کردہ نکات کی تفصیل ہے۔

قارئین کی دل چسپی کے لیے دونوں مضامین کے چند نمائندہ جملے درج ذیل ہیں:

ہم نے لکھا ہے:

''کوبہ' کا معنی طبل بیان کیا جاتا ہے۔'' (اشراق مارچ ۲۰۰۴، ۸۸)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

''الاعتصام'' کا بیان ہے:

''الکوبہ کی تعبیر راویان حدیث طبل سے کرتے ہیں۔'' (۲۱/۵۷:۱۳)

ہم نے ''لسان العرب'' کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''کوبہ کے معنی طبل اور نرد کے ہیں۔'' (اشراق مارچ ۲۰۰۴، ۸۹)

''الاعتصام'' میں تحریر ہے:

''علامہ خطابی فرماتے ہیں... الکوبہ کی تفسیر طبل سے کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نرد ہے... ''الکوبہ'' کی یہی تعبیر عموماً اہل لغت (بحوالہ لسان العرب، تاج، صحاح) نے کی ہے۔ اس میں طبل، نرد، شطرنج، بربط، ڈگڈگی شامل ہے۔'' (۲۱/۵۷:۱۳)

ہم نے بیان کیا ہے کہ مذکورہ روایت میں کوبہ کا لفظ چونکہ میسر (جوا) کے ساتھ متصل ہو کر آیا ہے، اس لیے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہاں اس کے معنی طبل کے بجائے نرد کیے جائیں، کیونکہ نرد کا کھیل اس زمانے میں جوئے کے ساتھ خاص تھا۔

''الاعتصام'' کا کہنا ہے:

''چلیے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ''نرد'' جوئے کے طور پر کھیلا جاتا تھا، اس لیے ''میسر'' کے ساتھ ساتھ اس کی حرمت بیان ہوئی۔'' (۲۱/۵۷:۱۴)

ہم نے لکھا ہے کہ کوبہ کے معنی نرد لینا اگرچہ زیادہ قرین قیاس ہے، لیکن اس امکان کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ یہاں کوبہ سے مراد طبل ہو۔ یہ عین ممکن ہے کہ اس کے جوئے اور شراب کی مجالس کے ساتھ معروف ہونے کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کا حکم ارشاد فرمایا ہو۔

اس پر ''الاعتصام'' نے لکھا ہے:

''جب یہ روایت ان کے ہاں مسلمہ ہے تو کوبہ، یعنی طبل کی حرمت کا اس میں ذکر ہے۔ اس لیے طبل کی حرمت کا انکار اور ''کوبہ'' سے صرف نرد مراد لینا بہر نوع بے بنیاد ہے۔'' (۲۱/۵۷:۱۴)

بانسری کی حرمت

اس عنوان کے تحت ہم نے ابوداؤد کی روایت، رقم ۴۹۲۴ نقل کی تھی۔ اس کے مطابق حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے (سر راہ) بانسری کی آواز سنی تو اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور راستے

سے دور ہو گئے۔ پھر انھوں نے پوچھا کہ نافع تمھیں کوئی آواز آ رہی ہے؟ نافع نے نفی میں جواب دیا تو انھوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں اٹھا لیں اور یہ بتایا کہ ایک مرتبہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ تھے تو آپ نے بانسری کی آواز سن کر ایسا ہی کیا تھا۔

اس روایت کے بارے میں ہم نے اپنا نقطۂ نظر یہ بیان کیا تھا کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک صحیح کے درجے کی ہے۔ اس میں حضرت عبداللہ بن عمر نے کسی موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کا مشاہدہ نقل کیا ہے کہ آپ نے بانسری کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں رکھ لی تھیں، لیکن سیدنا ابن عمر نے نہ از خود آپ کے عمل کی کوئی علت بیان کی ہے اور نہ حرمت یا شناعت کی نوعیت کا کوئی جملہ ہی آپ سے منسوب کیا ہے، لہٰذا اس روایت کی بنا پر آلات موسیقی کو مکروہ قرار دینا یا ان کی حرمت یا شناعت کا یقینی حکم اخذ کرنا روایت کے اسلوب بیان اور الفاظ سے تجاوز ہے۔

جہاں تک کانوں میں انگلیاں رکھنے اور راستہ تبدیل کرنے کے اعمال کو اظہار نفرت و کراہت پر محمول کرنے کا تعلق ہے تو اس ضمن میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ یہ محض ایک توجیہ ہے جسے کسی یقینی حکم کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عمل کی متعدد ایسی توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں جو مذکورہ توجیہ سے یکسر مختلف ہوں۔ مثلاً یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری سے طبعی ناپسندیدگی کی وجہ سے ایسا کیا یا آواز اس قدر قریب سے آئی کہ آپ نے الجھن محسوس کی یا بجانے والے نے ایسی دھن بجائی جو مشرکانہ گیتوں کے حوالے سے معروف تھی یا آپ اس وقت اللہ کے ذکر میں مصروف تھے یا کسی بات پر غور فرما رہے تھے۔ یہ اور اس نوعیت کی متنوع توجیہات اگر اس عمل سے قیاس کی جا سکتی ہیں تو ان میں سے کسی ایک قیاس پر اصرار کرنا اور اس کی بنا پر حرمت و کراہت کا حکم لگانا کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر تنقید کے لیے ''الاعتصام'' نے اپنی بحث کا آغاز اس روایت کی سند سے کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے متعدد کتابوں کے حوالوں سے نہایت تفصیل کے ساتھ اس کی صحت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اہتمام اس کے باوجود ہے کہ ہم نے اسے صحیح روایت کے طور پر قبول کیا ہے اور اپنے مضمون میں صحیح روایات کے زیر عنوان نقل کیا ہے۔ یہ اور اس نوعیت کے بعض دوسرے مقامات پر ایسی مفصل توضیحات سے مقصود غالباً اس لیاقت کا اظہار ہے کہ وہ حدیث کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے اور ان کی شروح کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اہل الاعتصام بے فکر رہیں، ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ ہمیں ان کی اس صلاحیت کا پورا اعتراف ہے، بلاشبہ یہ صلاحیت کتب سے ابتدائی ممارست کے لیے بہت مفید ہوتی ہے، لیکن ان کے مطالب تک رسائی، ان کا تجزیہ و تحلیل اور ان سے اصول و فروع اور احکام و علل کا استنباط، ظاہر ہے کہ ایک بالکل مختلف نوعیت کی چیز ہے۔ اس کے لیے جو تفحص، جو وسعت نظری اور جو

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مجتہدانہ بصیرت درکار ہوتی ہے، اہل الاعتصام اور ان کے ہم قبیل چونکہ اسے لائق اعتنا ہی نہیں سمجھتے، اس لیے ان سے اس کا تقاضا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ، یہ خیال کبھی کبھی آتا ہے کہ اخلاقیات علم کی وہ میراث ہم نے گنوا دی ہے جو اپنے اسلاف سے پائی تھی اور یہ شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ:

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بات دور نکل گئی، بہرحال ہمارے اصل استدلال پر ''الاعتصام'' کی تنقید ملاحظہ کیجیے:

''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اطاعت کا حکم ہی نہیں دیا، آپ کی اتباع اور تابع داری کا بھی حکم فرمایا ہے۔ بلکہ آپ کے طرز عمل کو ''اسوۂ حسنہ'' قرار دیا ہے، اور اسی کی پیروی میں حضرت عبداللہ بن عمر نے محض بانسری کی آواز سننے پر اپنے کان بند کر لیے... بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مشاہدہ ہی نقل کیا۔ آپ نے قولاً اس کی شناعت بیان کی ہوتی تو یقیناً وہ اسے بھی بیان کرتے۔ وہ چوں کہ سچے متبع تھے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے دیکھا اسی طرح کر کے دکھایا، مگر غامدی صاحب کی طبیعت اس قدر اتباع کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے مختلف احتمالات سے جان کی امان چاہتے ہیں۔ فرق بس اتنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمر نے تو اتفاقاً چرواہے کی کان پڑی آواز پر اپنی نفرت اور کراہت کا اظہار فرمایا۔ چہ جائیکہ اسے ماہر فن سے بڑے اہتمام سے سنا جائے۔ اس لیے جس کا بلا ارادہ سننا مکروہ ہے اس کا قصداً سننا اور مختلف سروں سے سن سنا کر سر دھننا حرام کیوں نہیں؟... یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری کی آواز پر کانوں میں انگلیاں ہی نہیں ڈالیں، بلکہ آپ جس راستے پر چلے جا رہے تھے اس راستے کو چھوڑ دیا اور اس سے الگ راستہ اختیار کیا۔ قابل غور یہ بات ہے کہ کانوں کو بند کر لینے کے باوجود آپ نے اور پھر آپ کی تابع داری میں حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ راستہ کیوں چھوڑا؟ غامدی صاحب اگر اس نکتے ہی پر غور کر لیتے تو ان احتمالات کی کم زوری ان پر واضح ہو جاتی، جن کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔'' (۲۳/۵۷: ۱۱، ۱۲)

ان کی اس تقریر دل پذیر کے باوجود ہمارا یہ اصل استدلال جوں کا توں قائم ہے کہ روایت کے اندر آلۂ موسیقی بانسری کی حرمت یا شناعت کی کوئی تصریح نہیں ہے اور فقط کانوں میں انگلیاں رکھنے کے عمل کی بنا پر نفرت وکراہت کا حتمی فیصلہ ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

انھوں نے بیان کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر نے درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے، چنانچہ جو انھوں نے دیکھا، اس پر ہو بہو عمل کیا۔ اگر ''الاعتصام'' کے اسی استدلال کو اصل اصول مان لیا جائے تب بھی اس سے بانسری کی حرمت، شناعت یا کراہت کا نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا۔ اتباع کے اس اصول کو اگر بعینہٖ اختیار کیا جائے تو اس سے جو حکم مستنبط

ہوگا، وہ یہ ہے کہ راستے میں جاتے ہوئے اگر بانسری کی آواز سنائی دے تو کانوں میں انگلیاں رکھ لینی چاہییں اور راستہ تبدیل کر لینا چاہیے۔ یہ ضروری ہے کہ اس موقع پر کوئی شخص آپ کے ہم راہ ہو جس سے آپ یہ معلوم کر سکیں کہ آیا بانسری کی آواز آ رہی ہے یا نہیں۔ اس کا التزام بھی ہونا چاہیے کہ وہ آدمی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہوا ہو ورنہ وہ خود کانوں میں انگلیاں رکھنے کا مکلّف ہو جائے گا اور آپ اس سے بانسری کی آواز سنتے رہنے اور اس کے بند ہو جانے سے آگاہ کرنے کی خدمت نہیں لے سکیں گے۔

جہاں تک ''الاعتصام'' کی اس بات کا تعلق ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر سچے متبع تھے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کرتے دیکھا، اسی طرح کر کے دکھایا، تو اس بارے میں واضح رہنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی ان کے ظاہر کے لحاظ سے بعینہٖ پیروی سیدنا ابن عمر کا خاص مزاج ہے۔ چنانچہ ان کی مرویات سے علما وفقہا اس مزاج کی رعایت کرتے ہوئے احکام کا استنباط کرتے ہیں۔ بخاری، رقم ۱۶۱ میں بیان ہوا ہے کہ ابن جریج نے عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ دباغت کی ہوئی کھال کے چپل پہننے اور زرد رنگ استعمال کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن صحابہ میں سے اور کسی کو میں نے ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ انھوں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ دونوں کام رسول اللہ کرتے تھے، اس لیے میں بھی انھیں پسند کرتا ہوں۔ اسی طرح حضرت ابن عمر کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ سفر میں اہتمام کے ساتھ ان مقامات پر نماز ادا کیا کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً نماز ادا کی تھی۔ ایک جگہ انھوں نے پانی بہایا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں پانی بہایا تھا۔ ایسا اہتمام دیگر اکابر صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ابن عمر نے جو کیا، اس پر صحابہ میں سے کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔ چنانچہ خلفاے راشدین یا دوسرے مہاجر اور انصار صحابہ میں سے کسی سے منقول نہیں کہ وہ ان مقامات پر نماز پڑھنے کی کوشش کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے۔ صحیح طریقہ جمہور صحابہ ہی کا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا مطلب آپ کے حکم کو ماننا ہے یا آپ کے فعل کی بایں طور پیروی کرنا ہے کہ وہ کام جو آپ نے کیا، اسی نوعیت کے ساتھ کیا جائے جس کے ساتھ آپ نے کیا۔ پس اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ پر قصداً عبادت کی ہے تو وہاں قصداً عبادت کرنا آپ کی اتباع ہوگی، جیسا کہ مختلف مقدس جگہوں یا مساجد میں عبادت کرنا۔ لیکن اگر آپ اتفاقاً کسی جگہ پر ٹھہرے ہوں، اس وجہ سے کہ اتفاقاً وہ وقت نماز کا تھا یا کوئی اور وجہ تھی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ آپ نے اہتمام سے اس جگہ رکنے کا قصد نہیں کیا تھا تو اگر ہم اس جگہ اہتمام سے عبادت کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ آپ کی اتباع نہ ہوگی، کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔'' (اقتضاء ۳۸۷)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

گانے کی احمقانہ آواز سے ممانعت

اس عنوان کے تحت ہم نے المستدرک علی الصحیحین کی روایت رقم ۶۸۲۵ نقل کی تھی۔اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم نے آپ کی گود میں وفات پائی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے سوال کیا کہ آپ نے تو رونے سے منع فرمایا ہوا ہے۔اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے رونے سے نہیں، بلکہ دو احمق اور فاجر آوازوں سے منع کیا ہے: ایک خوشی کے موقع پر لہو ولعب اور شیطان کے باجوں کی آواز اور دوسری مصیبت کے وقت چہرہ پیٹنے، گریبان چاک کرنے کی آواز۔

اس روایت کے بارے میں ہم نے جو نقطۂ نظر اپنے مضمون میں پیش کیا تھا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

اولاً، اس روایت کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ یہ روایت اصلاً لائق استدلال نہیں ہے۔

ثانیاً، اس کا وہ طریق قرین قیاس ہے جو ترمذی میں نقل ہوا ہے اور جسے علامہ ناصر الدین البانی نے حسن کے طور پر قبول کیا ہے۔اس میں مصیبت کے وقت چہرہ پیٹنے، گریبان پھاڑنے اور شیطان کی طرح چیخنے کا ذکر تو موجود ہے، مگر غنا یا لہو ولعب کا ذکر کسی پہلو سے نہیں ہے۔اس طریق کو قرین قیاس سمجھنے کا سبب یہ ہے کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آوازوں کے حسن و قبح کے بارے میں کسی مجرد سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ بیٹے کی وفات کے موقع پر اپنے رونے کی وضاحت فرمائی ہے۔چنانچہ دیکھیے عبدالرحمٰن بن عوف کا سوال ہی یہ ہے کہ آپ کیوں رو رہے ہیں، جبکہ آپ نے ایسے موقعوں پر رونے سے منع فرمایا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے یہ توضیح فرمائی ہے کہ میں نے آنسو بہانے سے نہیں روکا، یہ تو فطری امر ہے۔میں نے تو جسم پیٹنے اور چیخنے چلانے سے منع کیا ہے۔روایت کو اس زاویے سے سمجھا جائے تو اس سیاق و سباق میں گانے بجانے کا ذکر بالکل بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر ''الاعتصام'' کے اعتراضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

مستدرک اور ترمذی میں درج دونوں روایتوں میں مشترک طور پر ایک ہی راوی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔اس اشتراک کے باوجود مستدرک کی روایت کو تو لائق استدلال نہیں سمجھا گیا جس میں لہو ولعب اور مزامیر شیطان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، مگر ترمذی کی روایت کو قابل اعتنا قرار دیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ مذکور نہیں ہیں۔ یہ صریح بددیانتی ہے۔ترمذی نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے صاف طور پر لکھا ہے: وفی الحدیث کلام اکثر من ھذا۔ ''حدیث میں اس سے زیادہ کلام ہے۔'' دیگر مراجع مثلاً بیہقی کی روایت کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے

کہ ترمذی کے ان الفاظ: 'صوت عند مصیبة خمش وجوہ وشق جیوب ورنة شیطان' کا مصداق دو آوازیں نہیں، بلکہ ایک ہی آواز ہے۔ مزید براں، ان کے مصداق کو اگر الگ الگ کرنا ہی ہے تو پھر دو نہیں، بلکہ تین آوازیں بنتی ہیں۔ یعنی 'خمش وجوہ، شق جیوب، رنة الشیطان'۔ اس موضوع پر مستدرک، ترمذی اور بیہقی وغیرہ کی روایتیں اگرچہ ضعیف ہیں، مگر مسند امام بزار میں یہی روایت حضرت انس بن مالک سے مروی ہے اور مجموعی طور پر صحیح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''دو آوازیں ایسی ہیں جو دنیا و آخرت میں ملعون ہیں: ایک نعمت کے وقت مزمار اور دوسری مصیبت کے وقت چیخنے چلانے کی آواز۔''

اس روایت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''خوشی، غمی میں کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بنے۔ نبی محض دانش ور نہیں بلکہ مبلغ بھی ہوتا ہے اور کامل راہ نمائی کرتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غمی کے موقع پر راہ نمائی فرماتے ہوئے خوشی کے لمحات میں در آنے والی مصیبت سے خبردار فرمایا ہے تو یہ آپ کے منصب کے عین مطابق ہے۔''
>
> (الاعتصام ۲۱/۵۷:۱۲)

پہلی بات یہ ہے کہ اہل الاعتصام کے نزدیک اگر مستدرک کی زیر بحث روایت کے ساتھ ساتھ ترمذی کی مذکورہ روایت بھی ضعیف ہے تو پھر تو انھوں نے اصلاً ہماری ہی بات کی تائید کی ہے، کیونکہ ہم نے ان روایتوں کو ضعیف روایات ہی کے زیر عنوان درج کیا ہے اور موسیقی کے بارے میں ان سے کسی حکم کا استنباط نہیں کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ترمذی کی مذکورہ روایت کو اگر ہم نے لائق اعتنا سمجھا ہے تو اس کا سبب یہ نہیں کہ اس میں غنا کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ علامہ ناصر الدین البانی نے اسے اپنی ''صحیح سنن الترمذی'' میں نقل کیا ہے اور اسے حسن کے زمرے میں شامل کیا ہے۔ آپ علامہ البانی کی تحقیق سے اپنا اختلاف بیان کیجیے، ہم اگر قائل ہو گئے تو اس کو ضرور قبول کریں گے۔ اس طرح آپ کا یہ کام ہمارے نقطۂ نظر کی تائید ہی کے زمرے میں شمار ہوگا۔ تاہم، جہاں تک اس تنقید کا تعلق ہے کہ ترمذی کی روایت میں لفظ 'صوتان' (دو آوازیں) کا مصداق فقط 'صوت عند مصیبة خمش وجوہ وشق جیوب ورنة شیطان' کے الفاظ کو قرار نہیں دیا جا سکتا، تو یہ بالکل بجا ہے۔ بلاشبہ یہاں ایک ہی آواز مراد لینا درست ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ روایت کی تاویل کے حوالے سے ہمارا اصل استدلال روایت پر نہیں، بلکہ درایت پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک سیاق وسباق کی روشنی میں یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ اس موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقط

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نوحہ خوانی ہی پر تبصرہ فرمایا ہوگا۔ یہ بات ہم نے قرین قیاس کے الفاظ ہی کے ساتھ بیان کی تھی، اس سے واضح ہے کہ ہم اسے حتمی نہیں سمجھتے اور اس سے مختلف رائے کی صحت کا امکان تسلیم کرتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جہاں تک مسند امام بزار کی اس روایت کا تعلق ہے جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ نعمت یا خوشی کے موقع پر مزمار کی آواز ملعون ہے، اس سے اگر خوشی کے موقع پر موسیقی یا آلات موسیقی کی حرمت کا مفہوم اخذ کیا جائے تو ان روایتوں کی نفی ہوتی ہے جو عید، شادی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد جیسے خوشی کے مواقع پر موسیقی اور آلات موسیقی کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اور کامل صحت کے ساتھ حدیث کی کم وبیش تمام کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ ان کے مقابلے میں امام بزار کی مذکورہ روایت پر توقف کرنا زیادہ قرین حقیقت معلوم ہوتا ہے۔ اس ضمن میں یہ بھی واضح رہے کہ اس حدیث کے بارے میں خود امام بزار کا قول ہے کہ 'لا نعلمه عن انس الا بهذا الاسناد' یعنی ہم حضرت انس کی اس روایت کو اس سند کے سوا کہیں اور نہیں پاتے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سازوں کا عام ہونا اور مصائب کا نزول

اس عنوان کے تحت ہم نے ترمذی کی روایت، رقم ۲۲۱۰ نقل کی ہے۔ اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میری امت میں پندرہ خصلتیں پیدا ہوں گی تو اس پر مصیبتیں نازل ہوں گی۔ سوال کیا گیا: یارسول اللہ، یہ کون کون سی خصلتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: جب... شرابیں پی جائیں گی، ریشمی لباس پہنے جائیں گے، اور مغنیات اور ساز عام ہو جائیں گے اور آخری زمانے کے امتی پہلے زمانے کے امتیوں پر لعنت کریں گے۔ پس منتظر رہو اس وقت سرخ ہوا کے یا زمین میں دھنسنے کے اور شکلیں بگڑنے کے۔

اس روایت کے بارے میں ہم نے بیان کیا تھا:

اولاً، اس روایت کو ترمذی نے غریب قرار دیا ہے۔ ابن حزم کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے اور ناصر الدین البانی کی تحقیق کے مطابق بھی یہ ضعیف روایت ہے۔

ثانیاً، یہ روایت اسی مضمون کی حامل ہے جو بخاری، رقم ۵۲۶۸ میں بیان ہوا ہے۔ اور جسے ہم نے صحیح روایات کے زیر عنوان نقل کیا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت کی روشنی میں اس کے معنی بھی یہی ہوں گے کہ آلات موسیقی اگر شراب نوشی اور دیگر رذائل اخلاق کے ساتھ منسلک ہو جائیں تو ان کی شناعت مسلم ہے۔

ہمارے اس نقطۂ نظر پر ''الاعتصام'' کے تبصرے کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ترمذی کی یہ روایت ضعیف ہے۔ علامہ

ابن حزم نے اس روایت کی جس سند کو ضعیف قرار دیا ہے، وہ ترمذی کی نہیں، بلکہ ان کی اپنی سند ہے۔ چنانچہ ابن حزم کی تنقید کی بنا پر ترمذی کی سند کو ضعیف قرار دینا درست نہیں ہے۔ علامہ البانی ترمذی کی مکمل روایت کو تو ضعیف قرار دیتے ہیں، مگر ترمذی کے اس حصے کو شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیتے ہیں۔

اس تلخیص سے واضح ہے کہ ''الاعتصام'' نے اس روایت کے ضعیف ہونے سے اصلاً اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ یہ لائق استدلال نہیں ہے۔

گانے سے نفاق کی نشوونما

اس عنوان کے تحت ہم نے ابوداؤد کی روایت، رقم ۴۹۲۷ نقل کی تھی۔ اس میں بیان ہوا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گانا دل میں نفاق کو پروان چڑھاتا ہے۔

اس روایت کے بارے میں ہم نے بیان کیا تھا کہ محدثین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے اس کے الفاظ کو نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب قرار دیا جا سکتا اور نہ اسے کسی حکم کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

''الاعتصام'' نے اس روایت کے ضعیف ہونے سے اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''سنداً یہ روایت کم زور ہے کیونکہ سلام بن مسکین اسے ''عن شیخ'' کے لفظ سے بیان کرتے ہیں اور وہ مبہم ہے، اس لیے مجہول ہے۔'' (۲۳/ ۵۷: ۱۴)

تاہم انھوں نے اسے عبداللہ بن مسعود کے قول کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہے کہ اس کی سند اگر صحیح ہو تب بھی یہ موقوف روایت ہے اور حدیث نہیں، بلکہ اثر ہے۔ چنانچہ اسے دین کے کسی قطعی حکم کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ مزید براں اس کے الفاظ بھی حرمت کے مفہوم میں صریح نہیں ہیں۔

اس بحث کے ساتھ ''الاعتصام'' کی تنقید پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اس تنقید کا مجموعی طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نصوص پر بحث کے ساتھ ساتھ قارئین کو یہ دو باتیں باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے:

اولاً، ''اسلام اور موسیقی'' کے زیر عنوان ہمارا مضمون ایسی موسیقی کی حمایت کرتا ہے جو سفلی جذبات کی ترویج کا باعث بنتی ہے۔

ثانیاً، اس میں جمہور علماے امت کی رائے کے علی الرغم بالکل منفرد رائے پیش کی ہے۔

پہلی بات کے بارے میں قارئین پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ ہمارے مضمون میں جا بجا یہ مذکور ہے کہ اسلام کی رو

سے موسیقی کا ہر وہ مظہر شنیع قرار پائے گا جو منکرات وفواحش سے ادنیٰ علاقہ بھی رکھتا ہو۔ دوسری بات کے حوالے سے گزارش یہ ہے کہ موسیقی اور آلات موسیقی کی اباحت کے بارے میں ہم نے کوئی نئی رائے پیش نہیں کی ہے، پہلے بھی متعدد جلیل القدر علما اس کے قائل رہے ہیں اور موجودہ زمانے میں بھی اس نقطۂ نظر کے حاملین موجود ہیں۔ خاتمۂ کلام کے طور پر چند اقتباس پیش خدمت ہیں:

امام غزالی لکھتے ہیں:

''واضح رہے کہ سماع (موسیقی) کو حرام قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ (یہ ایک گناہ ہے اور) اللہ تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائیں گے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات محض عقل کی بنیاد پر نہیں کہی جا سکتی۔ بلکہ اس کا تعلق سمع یعنی نقل سے ہے۔ شرعی احکام نص پر مبنی ہوتے ہیں یا انھیں نص پر قیاس کیا جاتا ہے۔ نص سے مراد وہ بات ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے صریح طور پر معلوم ہو اور قیاس سے مراد وہ بات ہے جو آپ کے قول یا فعل سے مفہوم ہو۔ چنانچہ اگر سماع (کی حرمت) کے بارے میں نہ کوئی نص ہے اور نہ کسی نص پر اسے قیاس کیا جا سکتا ہے تو سماع (موسیقی) کے حرام ہونے کا دعویٰ ہی باطل ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کی نوعیت دوسرے مباحات کی طرح ایک ایسے مباح کی ہے جس میں کوئی مضایقہ نہ ہو۔ سماع کی حرمت کے بارے میں نہ کوئی نص موجود ہے اور نہ کوئی قیاس ہے۔'' (احیاء علوم الدین ۲/ ۲۷۰)

مولانا ابوالکلام آزاد کا نقطۂ نظر یہ ہے:

''اس بات کی عام طور پر شہرت ہو گئی ہے کہ اسلام کا دینی مزاج فنون لطیفہ کے خلاف ہے، اور موسیقی محرمات شرعیہ میں داخل ہے، حال آنکہ اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ فقہا نے سد وسائل کے خیال سے اس بارے میں تشدد کیا؛ اور یہ تشدد بھی باب قضا سے تھا، نہ کہ باب تشریع سے۔ قضا کا میدان نہایت وسیع ہے؛ ہر چیز جو سوء استعمال سے کسی مفسدہ کا وسیلہ بن جائے، قضاءً روکی جا سکتی ہے؛ لیکن اس سے تشریع کا حکم اصلی اپنی جگہ سے نہیں ہل جا سکتا۔'' (غبار خاطر/ ۲۸۳)

علامہ یوسف القرضاوی نے اس موضوع پر ایک مفصل مقالے میں یہ بیان کیا ہے:

''علماء اسلام نے ایک اصول طے کیا ہے کہ چیزوں کی اصل اباحت ہے یعنی اس کا جائز ہونا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ (البقرہ: ۲۹)

اور کوئی چیز اس وقت تک حرام نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس سلسلہ میں کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ سے کوئی صحیح اور صریح دلیل نہ وارد ہوئی ہو یا اجماع نہ ثابت ہو۔ اس لیے جب تک کوئی دلیل وارد نہ ہو یا اجماع ثابت نہ ہو یا کوئی نص صریح ہو لیکن صحیح نہ ہو یا صحیح ہو صریح نہ ہو اس وقت تک کوئی چیز حرام نہیں ہو سکتی اور چیزوں کی حلت پر اثر انداز

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

بھی نہیں ہوسکتی بلکہ وہ چیز وسیع دائرۂ عفو میں داخل رہے گی۔... گانے کو حرام قرار دینے والوں نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ صحیح ہیں تو صریح نہیں یا صریح ہیں تو صحیح نہیں، اور ایک بھی ایسی مرفوع حدیث اللہ کے رسول سے مروی نہیں جو حرمت پر دلالت کرتی ہو اور اوپر مذکورہ تمام حدیثوں کو ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ اور شوافع کی ایک معتد بہ تعداد نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (ماہنامہ زندگی نو، انڈیا، نومبر ۲۰۰۵: ۲۷،۳۶)

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

محمد عمار خان ناصر

غناء جاریتین کے واقعہ میں راویوں کے تصرفات

مارچ ۲۰۰۶ کے ''اشراق'' میں برادرم منظور الحسن صاحب نے ''اسلام اور موسیقی'' کے زیر عنوان اپنے مقالے میں صحیح بخاری کی ایک روایت پر گفتگو کرتے ہوئے میرا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔ یہ اقتباس میری ایک غیر مطبوعہ تحریر سے لیا گیا ہے اور اس میں ایک علمی غلطی موجود ہے جس کی وضاحت دینا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس میں عروہ بن الزبیر کے چار شاگردوں یعنی ابوالاسود، محمد بن عبد الرحمٰن، زہری اور ہشام بن عروہ کا ذکر کیا گیا ہے، جبکہ درحقیقت یہ تین شاگرد ہیں، کیونکہ ابوالاسود اور محمد بن عبد الرحمٰن الاسدی ایک ہی شخصیت ہیں۔ بخاری کے بعض طرق میں ان کا ذکر کنیت کے ساتھ اور بعض میں نام کے ساتھ ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کو دو الگ الگ آدمی سمجھنے کا اشتباہ پیدا ہوا۔ مزید براں زیر بحث روایت کی تنقید کے بعض دیگر پہلو بھی قابل غور ہیں جو مذکورہ اقتباس سے واضح نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ محولہ تحریر کا پورا اور اصلاح شدہ متن قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

زیر بحث روایت کا متن حسب ذیل ہے:

عن عائشة قالت دخل علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وعندی جاریتان تغنیان بغناء بعاث فاضطجع علی الفراش وحول وجهه ودخل ابوبکر فانتهرنی وقال مزمارة الشیطان عند النبی صلی اللّٰہ علیه

''ام المومنین عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس دو لونڈیاں جنگ بعاث کے اشعار گا رہی تھیں۔ رسول اللہ بستر پر آرام فرما ہو گئے اور آپ نے اپنا رخ پھیر لیا۔ اتنے میں ابوبکر آئے اور انھوں نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ کیا رسول اللہ کی موجودگی میں

وسلم فاقبل عليه رسول الله عليه السلام فقال دعهما فلما غفل غمزتهما فخرجتا. (بخاری، رقم ۸۹۷)

شیطانی آلات بجائے جارہے ہیں؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ ان کو گانے دو۔ پھر جب ابوبکر کی توجہ ہٹی تو میں نے ان دونوں کو آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ چلی گئیں۔''

روایت کے تمام طرق کو جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ام المومنین عائشہ اس واقعے کی اصل اور مرکزی راوی ہیں۔ ان سے یہ واقعہ ان کے بھتیجے عروہ بن زبیر نے نقل کیا ہے اور عروہ سے درج ذیل تین راوی اس کو روایت کرتے ہیں:

۱۔ ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی (بخاری، رقم ۲۶۹۱)

۲۔ ابن شہاب زہری (بخاری، رقم ۹۳۴)

۳۔ ہشام بن عروہ (بخاری، رقم ۸۹۹)

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن الاسدی ایک یتیم تھے جو عروہ بن زبیر کی کفالت میں رہے۔ ابن شہاب زہری ایک جلیل القدر محدث ہیں اور انھوں نے عروہ بن زبیر سے روایات کی ایک بڑی تعداد نقل کی ہے۔ ہشام بن عروہ، عروہ بن زبیر کے فرزند ہیں اور ان سے بھی ان کے والد کی روایات ایک بڑی تعداد میں منقول ہیں۔ ان میں سے ابوالاسود اور ابن شہاب زہری تو براہ راست عروہ کے شاگرد ہیں اور ان کے نقل کردہ متون کی سند متصل ہے، البتہ ہشام بن عروہ کا معاملہ مختلف ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے جو روایات نقل کی ہیں، ان کے ایک بڑے حصے کو اور بالخصوص ان روایات کو جو انھوں نے مدینہ سے عراق منتقل ہونے کے بعد روایت کیں، اکابر محدثین متصل تسلیم نہیں کرتے:

قال يعقوب بن شيبة ثقة ثبت لم ينكر عليه شئ الا بعد ما صار الى العراق فانه انبسط فى الرواية عن ابيه فانكر ذلك عليه اهل بلده والذى نرى ان هشاما تسهل لاهل العراق انه كان لا يحدث عن ابيه الا بما سمعه منه فكان تسهله انه ارسل عن ابيه مما كان يسمعه من غير ابيه عن ابيه.
(تہذیب التہذیب ۱۱/۴۵)

''یعقوب بن شیبہ نے کہا ہے کہ ہشام ثقہ اور ثبت ہیں اور عراق منتقل ہونے سے پہلے ان کی کسی روایت میں کوئی خرابی نہیں پائی گئی، تاہم عراق جانے کے بعد وہ اپنے والد سے روایات نقل کرنے میں غیر محتاط ہو گئے جس کی وجہ سے ان کے اپنے شہر کے لوگوں نے ان پر اعتراض کیا۔ ہماری رائے میں ہشام اہل عراق کو تاثر یہ دیتے تھے کہ وہ اپنے والد سے صرف وہی روایات نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ان سے سنی ہیں۔ اس میں ان کی بے احتیاطی یہ تھی کہ انھوں نے

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

وہ روایات بھی اپنے والد کی نسبت سے نقل کر دیں جو انھوں نے ان سے براہ راست نہیں، بلکہ بالواسطہ سنی تھیں۔''

امام حاکم نے ''علوم الحدیث'' میں خود ان کا یہ اعتراف نقل کیا ہے:

لم اسمع من ابی الا ھذا والباقی لم اسمعہ انما ھو عن الزھری.

''میں نے اپنے والد سے صرف ایک روایت سنی ہے۔ باقی تمام روایات میں نے ان سے نہیں سنیں، بلکہ وہ مجھے زہری کے واسطے سے حاصل ہوئی ہیں۔'' (معرفۃ علوم الحدیث ۱/۱۰۵)

زیر بحث روایت بھی ان سے شعبہ، حماد بن سلمہ، معمر، ابو معاویہ، عبداللہ بن نمیر اور ابواسامہ نے نقل کی ہے جو سب کے سب اہل عراق میں سے ہیں۔ اس وجہ سے اس روایت کی سند کو یقینی طور پر متصل قرار نہیں دیا جا سکتا، البتہ یہ بات بعید از امکان نہیں کہ ہشام بن عروہ نے یہ روایت زہری سے سنی ہو اور ان کا ذکر کیے بغیر مرسلاً اس کو نقل کر دیا ہو۔

مذکورہ تینوں راویوں کے نقل کردہ متون میں سے ابوالاسود کا نقل کردہ متن سب سے زیادہ منضبط ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے صرف ایک راوی عمرو بن الحارث نے اسے نقل کیا ہے اور عمرو بن الحارث سے بھی ان کے صرف ایک شاگرد عبداللہ بن وہب اسے روایت کرتے ہیں۔ راویوں کے محدود ہونے کے باعث متن مختلف راویوں کے قیاسات اور تصرفات سے محفوظ رہا ہے۔ اس کے برعکس ابن شہاب اور ہشام بن عروہ سے ان کے متعدد شاگردوں نے اس متن کو نقل کیا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف متن کے الفاظ اور اجزا کے انتخاب و ترتیب میں راویوں کے شخصی رجحانات کا اثر نمایاں ہے، بلکہ بعض جگہوں پر راویوں کو اپنے قیاسات بھی متن میں شامل کر دینے کا موقع مل گیا ہے۔ یہاں ہم باقی تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے ابن شہاب اور ہشام کے متون میں سے صرف ایک ایک مثال پیش کریں گے۔

ابن شہاب سے روایت کرنے والے ایک راوی اسحاق بن راشد نے روایت کے متن میں اپنا ایک قیاس یوں داخل کیا ہے:

ان ابا بکر دخل علیھا فی ایام التشریق وعندھا جاریتان تغنیان وتضربان بالدف فسبھما وخرق دفیھما.

''ابوبکر عید الاضحیٰ کے دنوں میں عائشہ کے ہاں آئے۔ اس وقت ان کے پاس دو لونڈیاں گانا گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں۔ ابوبکر نے ان کو برا بھلا

کہااوران کے دف پھاڑ دیے۔‘‘ (صحیح ابن حبان، رقم ۵۸۶۹)

اسحاق بن راشد کے علاوہ ابن شہاب زہری سے اس روایت کو حسب ذیل رواۃ نے بھی نقل کیا ہے:

۱۔عقیل بن خالد (بخاری، رقم ۹۳۴)

۲۔عمرو بن الحارث (مسلم، رقم ۱۴۸۰)

۳۔مالک بن انس (نسائی، رقم ۵۷۹)

۴۔معمر بن راشد (نسائی، رقم ۱۵۷۵)

۵۔عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی (احمد، رقم ۲۳۴۰۰)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دف پھاڑ دینے کی بات نہ زہری کے مذکورہ شاگردوں کے طرق میں بیان ہوئی ہے اور نہ عروہ بن زبیر سے روایت کرنے والے باقی دو راویوں یعنی ابوالاسود اور ہشام کی روایتوں میں اس کا کوئی ذکر ہے۔ چنانچہ اس کے بے اصل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اس ضمن میں دوسری مثال ہشام بن عروہ کے نقل کردہ متن میں ملتی ہے۔ ان کے ایک شاگرد ابواسامہ کے طریق میں یہ اضافہ موجود ہے کہ 'قالت وليستا بمغنيتين' یعنی ام المومنین نے کہا کہ یہ دونوں لونڈیاں گانے والی نہیں تھیں۔ (بخاری، رقم ۸۹۹) شارحین نے بالعموم اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ وہ پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں۔ (فتح الباری ۲/ ۴۴۲) البتہ ابن حزم کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دونوں اچھا گانے والیاں نہیں تھیں۔ (المحلی ۹/ ۶۲)

ہشام بن عروہ کے طریق کی تفصیلات جمع کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ جملہ درحقیقت ان کا بیان کردہ نہیں، بلکہ ابواسامہ کا اپنا قیاس ہے جسے انھوں نے روایت کے متن میں داخل کر دیا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ابواسامہ کے علاوہ اس واقعے کو ہشام سے ان کے درج ذیل پانچ شاگردوں نے نقل کیا ہے:

۱۔شعبہ بن الحجاج (بخاری، رقم ۳۶۳۸)

۲۔حماد بن سلمہ (مسند احمد، رقم ۲۳۸۷۹)

۳۔عبداللہ بن نمیر (المعجم الکبیر ۲۳/ ۱۸۱)

۴۔ابومعاویہ عبداللہ بن معاویہ (مسند اسحاق بن راہویہ ۲/ ۲۷۲)

۵۔معمر بن راشد (المعجم الکبیر ۲۳/ ۱۸۰)

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

ان میں سے کسی شاگرد کے طریق میں اس جملے کا کوئی وجود نہیں اور صرف ابواسامہ نے روایت میں اس جملے کا اضافہ کیا ہے۔ ابواسامہ ایک ثقہ راوی ہیں اور انھوں نے ہشام بن عروہ سے روایات کی ایک بڑی تعداد نقل کی ہے، تاہم یہ قرار دینا خلاف قیاس ہوگا کہ ہشام کے باقی پانچوں شاگرد یہ جملہ بیان کرنا بھول گئے اور صرف ابواسامہ نے اس کو یاد رکھا۔

بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہ جملہ خود ہشام ہی کا نقل کردہ ہے تو بھی اسے اصل متن کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ اگر ہشام کا ماخذ زہری کے علاوہ کوئی اور ہے تو واسطے کے مجہول ہونے کی بنا پر اس سند کو اتصال حاصل نہیں اور اگر انھوں نے یہ روایت زہری سے سنی ہے تو زیر بحث جملے کے اصل متن کا حصہ نہ ہونے کی بات مزید موکد ہو جاتی ہے، اس لیے کہ خود زہری کی روایت میں یہ جملہ موجود نہیں۔ ان وجوہ سے اس جملے کو ام المومنین کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

---

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

سیرت صحابہ

محمد وسیم اختر مفتی

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

—— ۲ ——

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صدمہ اس قدر جاں کاہ تھا کہ اسے خود برداشت کر لینا اور آپ کے بعد آپ کی دل گیر امت کو درست سمت میں لے کر چلنا ایسا کارنامہ تھا جو حضرت ابوبکر ہی سرانجام دے سکتے تھے۔ وفات کی صبح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ عائشہ سے مسجد میں تشریف لائے، لوگوں سے کچھ باتیں کیں اور جیش اسامہ کی کامیابی کی دعا فرمائی۔ آپ کے حجرے میں واپس جانے کے بعد ابوبکر آپ کی صحت کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنے گھر چلے گئے۔ دوپہر کے وقت آپ کی وفات کی خبر آئی تو ایک شخص ابوبکر کو واپس بلا لایا۔ مسجد میں عمر تلوار لیے جوش کے عالم میں کہہ رہے تھے: ''جو کہے گا، رسول اللہ فوت ہو گئے ہیں، میں اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔'' ابوبکر سیدھے حجرے میں گئے، رخ مبارک سے کپڑا ہٹایا، رخسار کو بوسہ دے کر فرمایا: ''کیا ہی بابرکت تھی آپ کی زندگی اور کیا ہی بابرکت ہے آپ کی موت۔'' پھر باہر آئے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا: ''اے لوگو، جو محمد کی پوجا کرتا تھا، جان لے، محمد تو فوت ہو چکے ہیں۔ جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، اسے معلوم ہونا چاہیے، اللہ زندہ ہے، کبھی نہ مرے گا۔'' انھوں نے سورۂ آل عمران کی آیت تلاوت کی: 'وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم' (۱۴۴) ''محمد تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔ تو بھلا کیا یہ مر جائیں یا مار دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟'' یہ آیت سن کر سب کو یوں لگا جیسے یہ ابھی اسی موقعے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمر کو بھی یقین ہو گیا، ان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ بے سدھ ہو کر گر گئے۔ ایک رقیق القلب مومن کا ضبط نفس

اس موقع پر مسلمانوں کے کام آیا، وہ انتشار سے محفوظ ہو کر حقائق کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سانحۂ انتقال ہو چکا تھا، لیکن اصحاب نبی جسد مبارک کی تدفین کے بجائے خلیفہ کے انتخاب میں مصروف تھے۔ مہاجرین وانصار کے بیچ کیوں کشمکش ہوئی اور اوس وخزرج کی باہمی چپقلش نے ابوبکر کے انتخاب میں کیا کردار ادا کیا؟ ان سوالوں کا جواب پانے کے لیے تاریخ سے مدد لینا ہوگی۔

صعل وعمالقہ یثرب کے قدیم باشندے تھے، داؤد وموسیٰ علیہما السلام کے زمانے میں اسرائیلی اور یہودی آباد ہوئے۔ عربوں میں سے بنوانیف اور بنومرید کی آمد بعد میں ہوئی۔ ارم کا سیلاب آنے کے بعد عمرو بن عامر بن حارثہ کی اولاد بکھر گئی تو اس کے دو بیٹوں اوس اور خزرج نے مدینہ میں ڈیرا ڈالا، وہ اپنی ماں کی نسبت سے بنوقیلہ کہلاتے ہیں۔ پہلے وہ یہود کے پڑوسی اور حلیف بنے پھر انھی سے ان کی جنگیں ہوئیں۔ شروع میں یہود غالب آئے، بعد میں اوس و خزرج ہی کا پلہ بھاری رہا۔ یہود پر کامیابی پانے کے بعد معمولی باتوں پر اوس وخزرج میں لڑائیوں کا آغاز ہوا حتیٰ کہ سمیر، سرارہ، بنووائل، بنومازن، حاطب، فجار اور بعاث کی جنگیں ہوئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ان کی کشمکش ختم ہوئی اور وہ مسلمان بھائی بن گئے۔

اوس وخزرج میں بڑے دلیر سردار پیدا ہوئے، اوس کے سعد بن معاذ، عمرو بن معاذ اور سعد بن خیثمہ بدر، احد اور خندق کی جنگوں میں شہید ہو گئے۔ خزرج کے سرداروں میں سے سعد بن عبادہ، رافع بن مالک، مرداس بن مروان، ابوقتادہ بن ربعی اور مالک بن عجلان مشہور ہوئے۔ حسان بن ثابت خزرج کے اور قیس بن خطیم اوس کے شاعر تھے۔

اپنی اس تاریخی حیثیت کی بنا پر اور مشکل وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو پناہ دینے کی وجہ سے ان کے دلوں میں یہ خیال پختہ ہو چکا تھا کہ اچھے وقت کے ثمرات حاصل کرنے کے زیادہ حق دار بھی وہی ہیں۔ حنین و طائف کے معرکوں کے وقت ان کے اس دعوے کا اظہار ہوا جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کی تقسیم میں نومسلم قریشیوں کو ترجیح دی تو انھوں نے اعتراض کیا: ''خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکہ والے لے گئے۔'' تب آپ نے انھیں جمع کر کے فرمایا: ''میں نے وہ مال قریش کو محض تالیف قلب کے لیے دیا تا کہ وہ اسلام پر پختہ ہو جائیں۔ تمھیں تالیف قلب کے لیے دینے کی ضرورت نہ تھی۔ اے انصار، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسول اللہ کو لے جاؤ۔'' انصار بہت شرمندہ ہوئے، اتنا روئے کہ ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انھوں نے بہ یک زبان کہا: ''ہم رسول اللہ کی تقسیم اور بخشش پر دل وجان سے راضی ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا احساس تفوق استحقاق خلافت کے دعوے میں بدل گیا، وہ آپ کی تجہیز و تکفین سے پہلے ہی سقیفۂ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو گئے۔ سقیفہ اس چبوترے کو کہتے ہیں جس کی چھت بھی ہو، بنی ساعدہ خزرج قبیلے کی ایک شاخ تھی، ان کی چوپال سقیفۂ بنی ساعدہ کے نام سے مشہور ہے۔ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو جو اس وقت بیمار تھے، بلایا گیا۔ وہ بات کرتے اور ان کا بیٹا بلند آواز میں دہراتا۔ انھوں نے کہا: ''اے انصار، تمھاری تلواروں نے اسلام کی فتح کا دن قریب کیا، رسول اللہ عمر بھر تم سے راضی رہے۔ اب تم خلافت اپنے ہاتھ میں لو، کیونکہ تمھارے سوا خلافت کا کوئی مستحق نہیں۔'' قبل اس کے کہ سب سعد کی بیعت کے لیے ٹوٹ پڑتے، ایک انصاری نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ہماری بیعت سے انکار کیا تو کیا ہوگا؟ ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابہ آپ کی تجہیز و تکفین کی فکر میں تھے کہ انھیں انصار کے اجتماع کی خبر ملی۔ خلیفۂ رسول کا انتخاب اس قدر اہم مسئلہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے طے کرنا پڑا۔ ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ سقیفۂ بنی ساعدہ پہنچے۔ انصار کی گفتگو جاری تھی کہ یہ حضرات ان کے بیچ آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت عمر کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ابوبکر نے روک دیا اور خود تقریر شروع کی۔ انھوں نے فرمایا: ''اے لوگو، ہم مہاجرین اسلام لانے میں اول ہیں، حسب و نسب کے علاوہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے کا فخر حاصل ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: 'السابقون الاولون من المهاجرين و الانصار'۔ (توبہ ۹: ۱۰۰) ''وہ جنھوں نے سبقت کی، سب سے پہلے ایمان لائے، مہاجرین و انصار میں سے۔'' تم نے اپنی فضیلت کا جو ذکر کیا ہے، ہمیں اس سے انکار نہیں۔ اگر اوس کو خلافت دی گئی تو خزرج والے حسد کریں گے اور اگر یہ خزرج کو سونپی گئی تو اوس والے برداشت نہ کریں گے۔ عرب یہ بات کبھی نہیں مانیں گے کہ سلطنت قریش کے سوا کسی اور قبیلے کے ہاتھ میں رہے، اس لیے تم امارت ہمارے سپرد کر دو اور وزارت خود سنبھال لو۔ حباب بن منذر نے اس پیش کش سے انکار کرتے ہوئے تجویز پیش کی: ''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے۔'' عمر نے کہا: ''ایک میان میں دو تلواریں جمع نہیں ہو سکتیں۔'' حباب کا تعلق اوس سے تھا اور سعد کا خزرج سے، اس مرحلے پر ان کی پرانی چشمک نے رنگ دکھایا۔ سعد نے کہا: تم (اوس والوں) نے دو خلافتوں کی پیش کش کر کے ابتدا ہی میں کم زوری کا مظاہرہ کر دیا۔ قبل اس کے کہ منافقین اس جھگڑے سے فائدہ اٹھاتے، ابوعبیدہ نے کہا: ''اے انصار، تم پہلے تھے جنھوں نے نصرت کی اور پناہ دی، لہٰذا اس دین کو بدلنے اور تباہ کرنے میں پہل نہ کرو۔'' ان کی بات کا اثر ہوا، خزرج کے بشیر بن سعد نے کھڑے ہو کر کہا: ''اے انصار، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور مہاجرین سے مت جھگڑا کرو۔'' ابوبکر کو معاملہ سدھرنے کا یقین ہو گیا تو انھوں نے انصار کو اتحاد کی تلقین کی اور فرمایا: ''یہ عمر اور ابوعبیدہ بیٹھے ہیں، جس کی چاہو بیعت کر لو۔'' اس لمحے شور و شغب

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

بڑھ گیا اور سب انتخاب کے شش و پنج میں پڑ گئے، کوئی ناروا بات ہونے سے پہلے عمر نے بلند آواز میں کہا: ''ابوبکر، اپنا ہاتھ بڑھائیے۔'' ان کے ہاتھ آگے کرنے پر عمر نے فوراً بیعت کر لی، ان کے بعد ابوعبیدہ اور بشیر بن سعد نے بیعت کرنے میں جلدی کی۔ حباب بن منذر سے ضبط نہ ہوا، انھوں نے کہا: ''اے بشیر، تمھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ تو نے اپنے چچیرے کی امارت سے حسد کیا۔'' اوس کے رئیس اسید بن حضیر نے اپنے قبیلے کی طرف رخ کیا اور کہا: ''اللہ کی قسم، اگر سعد بن عبادہ ایک بار بھی خلافت پر قابض ہو گئے تو خزرج کو تم پر ہمیشہ کے لیے فضیلت حاصل ہو جائے گی، اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔'' چنانچہ ان کے کہنے پر اوس بھی بیعت کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی، وہ ہجوم میں روندے جانے والے تھے کہ ان کے ساتھی ان کو اٹھا کر لے گئے۔ ابوبکر نے ان سے بیعت لینے کا ارادہ کیا تو بشیر بن سعد نے منع کر دیا۔ انھوں نے کہا: قتل و غارت کیے بغیر آپ ان سے بیعت نہیں لے سکتے، لہٰذا اس ایک شخص سے تعرض نہ کریں۔ وہ ابوبکر کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے نہ ان کے اجتماعات میں شریک ہوتے، زندگی کے باقی ایام انھوں نے خاموشی سے تنہائی میں گزار دیے۔ جب عمر خلیفہ بنے تو سعد نے ان کی بیعت بھی نہ کی۔ پھر وہ شام چلے گئے اور حوران میں وفات پائی۔ شہر مدینہ کی حد تک انصار کا ادعاے خلافت درست ہوتا، لیکن یہ خلافت تو جزیرہ نماے عرب کو محیط ہو چکی تھی اور عجم کے دروازوں پر دستک دے رہی تھی۔ اتنی وسیع سلطنت کو صرف عمائد قریش ہی متحد رکھ سکتے تھے، چنانچہ سقیفہ کا دن گزرا کہ انصار نے خلافت کی خواہش کبھی نہ کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قریش کی قیادت پر مطمئن ہو گئے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

مولانا زاہد الراشدی

مولانا سید اسعد مدنی

www.javedahmadghamidi.com
www.ghamidi.net

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے جانشین اور جمعیت علماء ہند کے سربراہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی گزشتہ روز انتقال کر گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ گزشتہ تین ماہ سے کومہ میں تھے اور کافی عرصہ بستر علالت پر رہنے کے بعد کم وبیش ۸۰ برس کی عمر میں اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش کی ان ممتاز ترین شخصیات میں سے تھے، جنھیں برطانوی استعمار کے خلاف اس خطہ کے عوام کی تحریک حریت میں علامت کی حیثیت حاصل ہے اور جن کے تذکرہ کے بغیر جدوجہد آزادی کا کوئی باب مکمل نہیں ہوسکتا۔ وہ بیک وقت ایک بلند پایہ محدث اور بلند نسبت روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے متحرک سیاسی راہ نما اور تحریک آزادی کے عظیم مجاہد بھی تھے۔ انھیں یہ منفرد اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے کم وبیش سترہ برس حرم نبوی میں، بلکہ مسجد نبوی میں قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا اور جب انھوں نے محسوس کیا کہ ان کے استاذ محترم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز بڑھاپے میں اپنے وطن کی آزادی اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے سرگرم عمل ہیں تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے قافلۂ عزیمت میں شامل ہو گئے اور ان کے ساتھ ہی مالٹا جزیرہ میں محبوس ہو گئے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے جب متحدہ ہندوستان کے علماے کرام کی اس وقت کی سب سے بڑی جماعت جمعیت علماء ہند کی قیادت سنبھالی تو استخلاص وطن اور حریت قومی کے لیے پرامن سیاسی جدوجہد کا آغاز ہو چکا تھا اور مسلمانوں کی سیاسی قیادت تحریک آزادی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ حضرت مدنی نے اس جرات وحوصلہ اور عزیمت واستقامت کے ساتھ تحریک آزادی میں علماے حق کی قیادت کی کہ جمعیت علماء ہند نے حریت پسند

جماعتوں کی صف اول میں نمایاں مقام حاصل کر لیا، بلکہ ہراول دستہ کا کردار ادا کیا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جمعیت علماء ہند نے سب سے پہلے ایک سیاسی فورم سے ۱۹۲۶ء میں ملک کی مکمل آزادی کا مطالبہ کر کے اپنی جدو جہد کا آغاز کیا، جبکہ انڈین نیشنل کانگریس نے ۱۹۳۰ء میں آزادی کامل کو اپنا ہدف بنایا اور آل انڈیا مسلم لیگ کو اس مطالبہ اور مشن تک پہنچتے ہوئے مزید دس سال لگ گئے، اور جمعیت علماء ہند کا یہ اعزاز بلاشبہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور ان کے رفقا کی فراست و بصیرت اور عزیمت و استقامت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

برصغیر کی تقسیم اور قیام پاکستان کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی قیادت میں جمعیت علماء ہند نے عملی سیاست سے کنارہ کشی کر لی، تعلیمی، سماجی، اور رفاہی کاموں میں مسلمانوں کی راہ نمائی کو اپنا مشن بنا لیا اور تقسیم کے نتیجے میں بھارت میں رہ جانے والے کروڑوں مسلمانوں کو جن شدید مشکلات اور سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان کے حل اور مسلمانوں کے تحفظ کے لیے حضرت مدنی اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی سربراہی میں جمعیت علماء ہند نے جو تاریخی کردار ادا کیا وہ مسلمانان ہند کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی وفات کے بعد بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا کہ بھارت میں مسلمانوں کے وقار، دینی اقدار اور ترقی کے لیے شب و روز مصروف عمل یہ محاذ شاید ٹھنڈا پڑ جائے گا اور اب اس سطح کی کوئی شخصیت سامنے نہیں آسکے گی جو ملک گیر سطح پر مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ان کی تعلیمی و سماجی ترقی کے لیے اس جرات و استقامت کے ساتھ سرگرم عمل ہو، مگر مولانا سید اسعد مدنی کچھ اس شان سے اس میدان میں آگے بڑھے کہ امیدوں کی ٹمٹماتی شمعیں پھر سے روشن ہونے لگیں اور دم توڑتے حوصلوں میں ایک بار پھر زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

وہ ایک متحرک سیاسی راہ نما تھے اور ہر کام وقت پر کرنے کے عادی تھے۔ سیاسی، مذہبی اور مسلکی معاملات پر ان کی نظر یکساں رہتی تھی اور کسی اہم مسئلہ میں صرف نظر سے کام لینا ان کے مزاج کے خلاف تھا۔ تقسیم ہند کے بعد بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کو سب سے زیادہ جس مسئلہ کا سامنا تھا وہ فرقہ وارانہ فسادات کا تھا۔ کہیں بھی فرقہ وارانہ عصبیت کی چنگاری بھڑکتی تو اس علاقے میں مسلمانوں کے جان و مال خطرے میں پڑ جاتے، ایسے میں اس علاقے میں جانا، مسلمانوں کو حوصلہ دینا، ان کے امداد و بحالی کے کاموں کی نگرانی کرنا، فرقہ پرستوں کو لگام دینے کی جدوجہد کرنا اور حکام کو انصاف کے تقاضے پورے کرنے پر مجبور کرنا، سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کا یہ کام ہوتا تھا کہ جہاں اس قسم کے فسادات ہوتے وہ تمام خطرات کو نظر انداز کرتے ہوئے خود وہاں پہنچ جاتے اور تمام متعلقہ امور اپنی نگرانی میں طے کراتے۔ پھر یہ جگہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی نے

سنبھال لی اور خود کو ان کاموں کے لیے وقف کر دیا۔ بھارت کے کسی بھی حصے میں مسلمانوں پر کوئی گرفت آتی یا کوئی مسئلہ کھڑا ہوتا تو وہاں کے لوگوں کو یہ یقین ہوتا تھا کہ اور کوئی آئے یا نہ آئے ان کے زخموں پر مرہم رکھنے کے لیے مولانا اسعد مدنی ضرور آئیں گے اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ میں نے مختلف مواقع پر ان کو دیکھا اور ان کے ساتھ مختلف اجتماعات میں شرکت کی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر میں نے مولانا سید اسعد مدنی کو خود ان کے دیوبند کے گھر میں دیکھا ہے۔ پاکستان میں متعدد بار ان کی تشریف آوری پر ان سے زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا ہے اور برطانیہ کے بہت سے اجتماعات میں ان کے ساتھ شرکت کی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اپنے معمولات اور اوقات کا ان سے زیادہ پابند میں نے اور کوئی شخص نہیں دیکھا۔ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم کا بھی یہ معمول رہا ہے کہ وہ جب تک مصروفیات کے دائرے میں رہے اپنے معمولات اور اوقات کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ہم ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، مگر ان کی مصروفیات کی جولاں گاہ گکھڑ اور گوجرانوالہ تک محدود رہی ہے اور سفر کا موقع کبھی کبھی آتا تھا۔ جبکہ مولانا سید اسعد مدنی کی جولاں گاہ میں بھارت، بنگلہ دیش، برطانیہ، امریکہ، جنوبی افریقہ اور پاکستان سمیت بہت سے دوسرے ممالک شامل تھے۔ اور شاید ہی کوئی سال ایسا ہوتا جب وہ ان ممالک کا دورہ نہ کرتے، اس قدر طویل اسفار میں اپنے نظام الاوقات کی پابندی کرنا اور معمولات کو بلاناغہ نباہنا مولانا اسعد مدنی کا ہی کام تھا۔

میں نے برطانیہ کے اسفار میں دیکھا ہے کہ ان کے سفر کے آغاز سے قبل ہی ان کے سفر کا سارا شیڈول طے ہو جاتا تھا۔ اور طبع ہو کر متعلقہ حضرات تک پہنچ جاتا تھا۔ پروگراموں کی گھنٹوں کے حساب سے تقسیم ہوتی ایک ایک دن میں درجنوں پروگرام ہوتے اور سارے پروگرام اپنے اپنے وقت پر نمٹ جاتے۔ اور اس معاملہ میں کسی رعایت کے قائل نہیں تھے اور ایسا ممکن نہیں ہوتا تھا کہ اگلے پروگرام کے وقت کا حرج ہو رہا ہو اور وہ کسی پروگرام میں میزبانوں کی مروت کی وجہ سے وقت کا حرج کر رہے ہوں۔ گھڑی دیکھتے ہی اپنے وقت پر اٹھ کھڑے ہوتے اور پھر انھیں کسی کام کے لیے روکنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ ان کے اس عمل کا میں نے کئی بار مشاہدہ کیا اور ہر بار اس حوالہ سے ان کے ساتھ عقیدت اور رشک کے جذبات میں اضافہ ہوا۔

ورلڈ اسلامک فورم کے چیئرمین مولانا محمد عیسیٰ منصوری بسا اوقات حضرت مولانا سید اسعد مدنی کی بعض خصوصیات کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک بار کہنے لگے کہ میں نے مولانا اسعد مدنی میں دو خوبیاں ایسی دیکھی ہیں جو کسی دوسرے دینی یا سیاسی راہ نما میں مجھے نظر نہیں آتیں ایک یہ کہ ان کی خوراک انتہائی سادہ رہی ہے اور وہ اس معاملہ میں اکثر قناعت پسند رہتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا ہے کہ دستر خوان پر مختلف قسم کے کھانے ہیں اور پرتکلف ماکولات

موجود ہیں، مگر مولانا اسعد مدنی اپنے سامنے پڑی ہوئی کوئی ڈش اٹھائیں گے اور وہیں سے کھانے لگیں گے، اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔

مولانا منصوری کہتے ہیں کہ دوسری بات جو میں نے مولانا اسعد مدنی میں بطور خاص محسوس کی وہ ان کی مستعدی اور چابک دستی ہے وہ بروقت فیصلہ کرتے ہیں اور اس پر بروقت عمل بھی کر گزرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بسا اوقات اکیلے کئی جماعتوں پر بھاری ثابت ہوتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ کسی علاقے میں کوئی مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے دوسری جماعتیں اس کے بارے میں مشورہ کر رہی ہیں، پروگرام بنا رہی ہیں اور اپنے موقف کے منظّم اظہار کی تیاریاں کر رہی ہیں کہ اچانک مولانا اسعد مدنی وہاں پہنچ جاتے ہیں اپنے حلقے کا کوئی اجتماع یا پریس کانفرنس کر کے اپنا موقف اور پروگرام پیش کر کے آگے چل دیتے ہیں۔ اور دوسری جماعتیں دیکھتی کی دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

مولانا سید اسعد مدنی نے جمعیت علماء ہند کی تعلیمی، سماجی، معاشرتی اور رفاہی جدوجہد میں جو نئے رنگ بھرے وہ بلاشبہ ان کے صدقات جاریہ ہیں۔ انھوں نے غریب مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے کاروبار اور شادی بیاہ جیسے معلامات میں ناگزیر ضروریات کے لیے بلاسود قرضے فراہم کرنے کے لیے جمعیت علماء ہند کے زیر اہتمام ایک فنڈ قائم کیا جس کے بعد اس طرز پر بہت سے دیگر فنڈز بھی قائم ہوئے اور ایک وسیع کار خیر کا آغاز ہو گیا۔ انھوں نے دینی مدارس کے تحفظ و ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمان بچوں کو عصری تعلیم اور فنون سے آراستہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو توجہ دلائی اور بہت سے مقامات پر اس کا عملی اہتمام بھی کیا، انھوں نے مسلمانوں کی سماجی بہبود اور فلاح کے کئی کام شروع کیے اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنی سیاسیات میں ہمیشہ کانگریس کے ساتھ رہے اور اس کی طرف سے ایوان بالا کے ممبر بھی رہے۔ وہ دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے تھے کہ بھارت کے معروضی حالات میں کانگریس مسلمانوں کے لیے بہتر پلیٹ فارم ہے اور وہ سیاسی معاملات میں کانگریس ہی کے فورم سے ہمیشہ متحرک رہے۔ مولانا مدنی بھارت کے مسلمانوں کے لیے اپنے عظیم والد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے جانشین تو تھے ہی، مگر میرے جیسے تاریخ کے طالب علم کے لیے وہ مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے جانشین بھی تھے۔ یہ دونوں نسبتیں ہم سے رخصت ہو گئی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ورثا و متعلقین کو ان کی حسنات کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق دیں اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ آمین یا رب العالمین۔